کے نام سے شائع کیا ہے، اور اسی موضوع پر جناب مولانا حکیم برکات احمد صاحب ٹونکی کا ایک مستقل رسالہ "الحجۃ البارقۃ علی تحریم الربوا"، اور ایک تیسرا رسالہ "عمدۃ الوسیلہ فی رد جواز اخذ الربا بالحیلہ" کے نام سے شائع کیا گیا ہے، یہ تمام رسائل جمعیت اہل السنت قصاب محلہ بمبئی نمبر ۳ سے مل سکتے ہیں،

شہادت عظمیٰ، قوم بھونہار (براہمن) کے متعلق ایک قدیم نظریہ ہے کہ پہلے اسکی نسل، عراق عرب مین تھی اور وہان سے افغانستان ہوتے ہوئے ہندوستان آئی، یہانتک کہ یہ کہا جاتا ہے کہ واقعۂ کربلا مین اس قوم مین سے ایک شخص رہب نامی اپنے خانوادہ کے ساتھ شریک تھا، اور اس کے سات نوجوان لڑکے اموی لشکر کے ہاتھون قتل ہوئے تھے، جناب مولوی سید شاہ نذیر ہاشمی صاحب غازیپوری نے اس نظریہ کو ایک قدم اور آگے بڑھانا چاہا ہے، اور ثبوت مین اس قوم کی ایک مشہور کتاب پیش کی ہے، جسمین اس شخص کا جنگ مین شریک ہونے اور امام حسینؓ کے انتقام کے لیے اٹھنے، اور کامیاب ہونے اور اس کے بعد ہندوستان وغیرہ کا تذکرہ ہے، اس کے علاوہ اس قوم کے بعض ضرب المثل اور قدیم روایات بھی درج کئے ہین، امید ہے کہ اہل علم کے لیے یہ جدید شہادتین اصل نظریہ پر غور وخوض اور تحقیق وکاوش کرنے مین معاون ہونگی، رسالہ کی ابتدا ہی مین جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب زیدی کا ۱۲ صفحون کا ایک بے محل دیباچہ ہے، جسمین شیعی نقطۂ نظر سے امام حسین علیہ السلام کے حالات اور فضائل درج ہین، اور آخر مین جناب مؤلف نے ایک جرمن اہل قلم کے بعض اعتراضات کے جواب دیئے ہین جو اس نے واقعۂ کربلا پر کئے تھے، رسالہ کا حجم چھوٹی تقطیع پر ۴۶ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، قیمت ۸/ پتہ:- مطبع حکیم برہم گورکھپور،

تحریکِ وہابیت، جناب مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب نے شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے مختصر حالات اور مسئلہ قباب پر ایک رسالہ "تحریک وہابیت" مین روشنی ڈالی ہے، حجم ۲۲ صفحے، دو پیسے محصول ڈاک بھیجکر منیجر اہلحدیث امرتسر سے طلب کیجئے،

"ز"

مجلد نوزدہم	ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ مئی سنہ ۱۹۲۷ء	عدد پنجم ۵

مضامین

شذرات

دار المصنفین کے ارکان مین پچھلے دنون بھی اضافہ ہوا، مگر ابھی ھل من مزید کی طلب اس جنت نما دوزخ کو باقی ہے، کتبخانہ کی زیر تعمیر عمارت نصف منزل طے کر چکی ہے، بقیہ کی تکمیل ہو رہی ہے، اور کام جاری ہے، امید ہے کہ دو ماہ مین دو ہال اور دو کمرے تیار ہو جائینگے، جو موجودہ ضرورت کو کافی ہون گے،

پچھلے دس برسون مین، مین نے ہندوستان کا گوشہ گوشہ چھان ڈالا، مگر یہ کسقدر تعجب انگیز ہے کہ **پنجاب** جانا اس عرصہ مین نصیب نہ ہوا، پنجاب کے احباب نے بارہا تقاضا کیا، اور اصرار کیا، لیکن مجبوریان تعمیل سے مانع رہین، حمایت اسلام لاہور کے کارفرما ہر سال یاد فرماتے رہے، مگر عدم تعمیل کے لیے ہر سال کوئی نہ کوئی حیلہ ہاتھ آ جاتا، اس سال مدعو ہوا تو جانے کیلئے کوئی چیز مانع نہ آئی، اور وسط اپریل مین لاہور جانا ہوا،

لاہور سے سترہ اٹھارہ برس پہلے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد گیا تھا، اور پھر اب گیا، اسی لیے انجمن کی تقریر مین مین نے کہا "لاہور پہلے اس وقت آیا تھا جب میرا آغاز شباب تھا، اور اب آیا ہون جب انجام شباب ہے کہ عمر کا توسن مرحلہ اربعین سے بھی دو تین قدم آگے بڑھ گیا ہے"، انجمن مین میری تقریر کا موضوع "عہد رسالت مین اشاعت اسلام" تھا، تقریر کا خلاصہ بعض اخبارات مین چھپ چکا ہے،

لاہور ہندوستان کا صدر دروازہ ہے، وہان کی حرکت و جنبش، چہل پہل، رونق و گرم بازاری، جوش و خروش، ہر چیز لوگون کے عزم اور بازوؤن کی قوت کو ظاہر کرتی ہے، حمایت اسلام اس وقت نہ صرف پنجاب بلکہ تمام ہندوستان کی اسلامی انجمنون مین سب سے زیادہ باعمل اور کارکن جماعت ہے، نقائص اور کمزوریون پر نہ جائیے کہ ان سے تو کوئی انسانی کام کبھی خالی نہین رہ سکتا، جو اس نے نہین کیا، اوسکا گلہ کیجئے، مگر جو اس نے کیا ہے، اوسکا شکریہ بھی ادا کیجئے، اس وقت وہ ایک بڑا کالج، چند ہائی اسکول، متعدد پرائمری اسکول، زنانہ مدرسے، اور ایک یتیم خانہ چلا رہی ہے، اس کے اردو اور فارسی نصاب کی کتابون نے

تمام ملک مین مقبولیت حاصل کر لی ہے، تبلیغ کا صیغہ بھی اس مین ہے، اور بھی رفاہ عام کے کام وہ انجام دے رہی ہے، اسکا آغاز چند مخلص اور غریب عملی مسلمانون کے ہاتھون سے ہوا، اور اب وہ امراء اور ذی اثر اشخاص کے حصول عزت کا سامان ہے، یہی اسکی کامیابی کی بڑی دلیل ہے،

تمام مسلمانان پنجاب عموماً اور مسلمانان لاہور خصوصاً مبارکباد کے مستحق ہین کہ وہ ہر سال اس کے کامون کے لیے ہزارہا روپیے فیاضی کے ساتھ دیتے ہین، اس سال اوسکے کالج کا یا خود اوسکا میزانیہ (بجٹ) دس لاکھ کا تھا، اس مین پانچ لاکھ کی کمی تھی، جسکا قوم سے مطالبہ تھا، جلسہ مین شاید پچیس تیس ہزار کا چندہ ہو گیا ہوگا، گو یہ رقم اس کے مطالبہ سے بہت کم ہے، تاہم آجکل جب آل انڈیا مجلسون سے لیکر معمولی مجالس تک کے سالانہ جلسے صرف اسی کو کامیابی سمجھتے ہین کہ جلسون مین حاضرین کی کافی تعداد آ جائے، سالہا سال سے ہمارے قومی تعلیمی اور مذہبی جلسے چندون کی پکار سے تھک کر خاموش ہو گئے ہین، ایسے وقت اسقدر رقم کا جمع ہو جانا بھی ہمارے لیے تعجب کا باعث ہوا، یہ بھی دیکھکر خوشی ہوئی کہ انجمن کے ارکان اور ہمدرد اس موقع پر یا خود کچھ دیتے ہین، یا اپنی محنت سے دوست احباب سے وصول کر کے کچھ لاتے ہین،

اس کے ماننے مین کسی کو کچھ تامل نہ ہوگا، کہ مدت سے لاہور اردو مطبوعات، اخبارات، اور رسائل کا مرکز ہے، اب تو اور صوبون نے بھی کچھ کام شروع کیا ہے، مگر حق یہ ہے کہ نصف صدی تک صرف لاہور نے تنہا اس خدمت کو انجام دیا ہے، اور اب بھی وہ سب سے آگے ہے، اور بھلا برا جو کام بھی اس سے بن آیا، اس نے کیا، اور دوسرون کے لیے تقلید کا نمونہ پیش کیا،

اصحاب علم اور ارباب ادب کی جمعیت کے لحاظ سے بھی وہ آجکل ہندوستان کی سب سے بہتر مجلس ہے، ڈاکٹر سر اقبال، شیخ عبد القادر، پرنسپل عبد اللہ یوسف علی، پروفیسر محمود شیرانی، پروفیسر اقبال، پروفیسر محمد شفیع، پروفیسر سراج الدین آذر، مولوی محمد علی ایم اے، خواجہ کمال الدین، پروفیسر سید عبد القادر، مولوی ظفر علیخان، اور متعدد ایسے باکمال اصحاب کی سکونت کا اسکو فخر حاصل ہے، جنکے

بیجا مرقع کے مثال کسی اور شہر مین نظر نہین آتی، پرانے لوگون مین سید ممتاز علی صاحب، منشی محبوب عالم صاحب، اور مولوی انشاء اللہ خان اپنی بہارین گذار چکے، تاہم انکی خزان بھی بہار کی یادگار ہے،

انشا پردازون، ادیبون اور شاعرون کی محفل بھی ابتک کچھ کم پر رونق نہین، سالک، مہر، تاجور، ابوالاثر حفیظ، غلام ربانی، تاثیر، حکیم یوسف حسن (نیرنگ خیال) مولانا عبد اللہ، سید امتیاز علی تاج، اختر شیرانی (بہارستان)، اور کئی متعدد اہل قلم آگے بڑھنے کے لیے مصروف عمل ہین، اور مستقبل ان کی کامیابی کا منتظر اور ان کے خیر مقدم کو تیار ہے، اور انمین سے بعض تو آگے بڑھکر پہلی صف کے قریب پہنچ چکے ہین،

یہ لکھنے مین میرا دل خوشی اور مسرت سے لبریز ہے کہ لاہور کے اہل علم اور اہل قلم طبقہ نے اپنی برادری کے اس کمترین ممبر کو خوش آمدید کہنے مین پوری فیاضی کا ثبوت دیا، مولوی ظفر علی خان نے تو اپنے گھر مہمان ہی اُتارا، اور یہ نامناسب بھی نہ ہوا کہ ایک دہقانی ایک مدنی کا مہمان بنا، ڈاکٹر اقبال سے یہ میری پہلی ظاہری ملاقات تھی، اور مراسلت کی باطنی ملاقات تو سنہ ۱۹۱۰ء سے قائم ہے، ڈاکٹر صاحب نے کرم کیا کہ ملنے مین پیشدستی فرمائی، قیامگاہ مین آئے، متعدد صحبتون مین ساتھ رہے، اور پھر خود اپنے کاشانہ مین مدعو کیا، جسکو وہ دار الفقر اور مین دار الاقبال کہونگا،

مولانا تاجور نے اپنے ہان چند ہندو و مسلمان نوجوان ادیبون کو میری عزت افزائی کیلئے چاء پر بلایا، پروفیسر آذر نے چند عشاق کتب کو مجھے اپنا قلمی کتب خانہ دکھانے کے بہانہ سے یکجا کیا، خواجہ سلیم الدین صاحب نے ممتاز اہل علم اور نوجوان دلدادگان فن کو اپنے خوان نعمت پر جمع کیا اور اس غریب الدیار کی عزت بڑھائی، خضر نسوان مولوی سید ممتاز علی صاحب نے جو تہذیب قدیم و جدید کے مجموعہ ہین، اپنے ادب کدہ مین یاد فرمایا،

افسوس ہے کہ وقت کی قلت کے سبب سے مین، وہان کے مشہور کتبخانون کو نہ دیکھ سکا، وہان کی پبلک لائبریری اور یونیورسٹی لائبریری کی بڑی تعریف سنی ہے، تاہم قلمی کتابون کے دو نجی ذخیرے دیکھے، پہلا ذخیرہ پروفیسر سراج الدین آذر کے شوق اور محنت کا نتیجہ ہے، کئی سو قلمی کتابین ہونگی اور یہ کل کی کل صرف پنجاب کے حدود کے اندر سے جمع کیگئی ہین، اس ذخیرہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسمین صرف فارسی کتابین ہین، فارسی تذکرے، دواوین، مثنویان، تاریخین، بیاضین اور اسی قسم کی چیزین ہین، فارسی ادبیات کا اتنا بڑا نادر ذخیرہ شاید کتبخانۂ حبیب گنج (نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی کا کتبخانہ) کے سوا اور کہین نہ ہوگا، کتبخانہ حبیب گنج مین بھی شاید اتنے دواوین اور مثنویان اور نظمون کے مجموعے ہون تو ہون مگر اتنے تذکرے اور تاریخین نہونگی، مین نے اسکا نام "آذر کدہ" تجویز کیا، پروفیسر آذر کا بیان ہے کہ یہ کل

کمائی چند سال کی ہو، وہ کالج کی چھٹیون مین باہر نکل جاتے ہین، اور چند دنون کی محنت مین اچھا خاصہ شکار کر لاتے ہین، مزید یہ کہ وہ خود ہی ان ہاتھون سے زخمی اور مجروح کتابون کی مرہم پٹی بھی کرتے ہین،

دوسرا ذخیرہ، خواجہ سلیم الدین کے پاس نظر آیا، کتابین ایک ٹرنک مین تھین، زیادہ تر عربی کی، بعض فارسی، اور ایک دو اردو کی، عربی کتابون مین علم النفس (سائیکالوجی) پر چند رسائل کا نادر مجموعہ دیکھا، جسمین ایسے مباحث معلوم ہوئے، جو اب تک اس موضوع کی عربی کتابون مین نظر نہین آئے، مصنف کا نام نہین، فارسی کتابون مین رباعیات خیام کا نسخہ سنہ ۸۶۷ھ کا لکھا ہوا تھا، جو رباعیات کے بوڈلین لائبریری والے سب سے پرانے نسخہ کے دو برس بعد لکھا گیا ہے،

ڈاکٹر اقبال ان تمام صحبتون مین شمع محفل تھے، انھون نے تو "شمع اور شاعر" لکھا ہے، لیکن مین نے تو لاہور مین خود شاعر کو شمع دیکھا اور قدرشناس سوختگان کا پروانہ پایا، انکی صحبت لاہور کے نوجوانون کی دماغی سطح کو بہت بلند کر رہی ہے، ان کے فلسفیانہ نکات، عالمانہ افکار، شاعرانہ خیالات انکی آس پاس کی دنیا کو ہمیشہ متاثر رکھتے ہین، انکی زمزمہ پردازیون کا نیا مجموعہ "زبور عجم" کے نام سے عنقریب سامعہ نواز ہونے والا ہے، مین نے کہا کہ فلسفۂ عجم کے دشمن کو مناسب بھی یہی تھا کہ عجم کے ہاتھ مین زبور دیکر ان کے خیالی فلسفہ کو مزامیر داؤد کی دعاؤن سے بدل دے، اور ان کے کانون کو زبور کا پردہ رکھکر قرآن کی نغمہ سنجیون سے مانوس کر دے،

لاہور سے محبت کے پیکر محبی مولوی عبد العزیز صاحب منہاس ایم اے ال ال بی وکیل گوجرانوالہ نے گوجرانوالہ کھینچا، احباب نے یہان وہ قدر افزائی کی، جو مدتون فراموش نہ ہوگی، شہر مین احناف اور اہل حدیث دونون فرقے ہین، اور میرا یہ حال ہے

ع تو کہے گبر مجھے، گبر مسلمان مجھکو،

اسلیے دونون جماعتون نے خیر مقدم کیا، یہان دونون جماعتون کے الگ الگ مدرسے ہین، مولانا عبد العزیز صاحب نبراس الساری کے مؤلف یہان کے جامع حنفی کے امام اور مدرسہ کے صدر المدرسین ہین، مولانا سے ملکر طبیعت محظوظ ہوئی، اہل حدیث جماعت کی مجلس اور اس کا نظام امارت بھی بہت پسند آیا، کاش تمام ملک کے اہل حدیث یہان کے غیر مقلدین کی "تقلید" کر سکتے،

مقالات

مسلمان عورتون کے حقوق کا مسئلہ

(۲)

خیار

تصحیح :- پہلے نمبر کے صفحہ ۲۴۹ سطر ۲ مین "صرف باپ اور دادا" کے بجائے "صرف دادا" اور اسی صفحہ کی سطر ۱۳ مین "اولیاء" کی جگہ "عام اولیاء"

گذشتہ مجلس مین یہ ذکر تھا کہ نابالغ لڑکی کے نکاح کا حق، امام مالکؒ کے نزدیک صرف باپ کو حاصل ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک صرف باپ اور دادا کو ہے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک درجہ بدرجہ تمام اولیاء کو ہے، امام مالکؒ کے نزدیک باپ کے علاوہ اگر کوئی اور نکاح کردے گا تو خواہ اس کا باپ زندہ ہو یا نہ ہو بہرحال وہ نکاح جائز نہ ہوگا، امام شافعیؒ نے باپ ہی پر دادا کو قیاس کرکے یہ کہا ہے کہ باپ کے نہونے کی صورت مین دادا باپ کا قائم مقام ہوگا، انکے علاوہ کوئی دوسرا نہین کر سکتا، اگر کر دیگا تو منعقد نہوگا، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک باپ تو کر ہی سکتا ہے، اور باپ نہ ہو تو قرابت کے مدارج کے لحاظ سے ہر جائز ولی اپنے اذن سے اس کا نکاح کرا سکتا ہے، لیکن عام اولیا اگر نکاح کرا دین تو بلوغ کے وقت اس کو اپنے نکاح کے فسخ کرنیکا اختیار ہوگا،

لیکن اگر اس نابالغ یا نابالغہ کا نکاح باپ نے کر دیا ہے تو عموماً فقہاء اور مجتہدین کے نزدیک کسی وقت اس کے فسخ کرنے کا اس کو اختیار نہ ہوگا، اور بلوغ کے وقت بھی وہ نکاح لازم ہوگا، اور اس مین کوئی تغیر پیدا نہ ہوگا، اور اولاد باپ کے فیصلہ کی ہر طرح پابند ہو جائے گی، تابعین مین ابن شبرمہؒ اور عام اہل حدیث اس بات

ابن شبرمہ کی طرف کسی نے یہ نسبت کی ہے کہ سرے سے نابالغہ کا نکاح ہی درست نہین ہے، اور بعض نے ان کی طرف یہ نسبت کی ہے کہ وہ جائز کہتے ہین لیکن یہ کہتے ہین کہ بلوغ کے وقت اسکی منظوری یا نامنظوری کا حال مین انکو اختیار ہے خواہ باپ نے نکاح پڑھایا ہو یا اور کسی نے (عینی جلد ۹ ص ۲۱۹)

کے قائل ہین کہ باپ نے بھی نکاح پڑھایا ہو تو بھی بلوغ کے وقت ان کو اس کے منظور یا نامنظور کرنے کا پورا حق حاصل ہے، اور ان کا یہ حق کوئی بھی نکاح کردے کبھی چھین نہین سکتا،

اس بحث مین چار باتین تصفیہ کے قابل ہین،

۱-کیا باپ کیلئے اپنی اولاد کا نابالغی مین نکاح کر دینا درست نہین ؟

۲-کیا باپ نہ ہو تو دوسرے اولیا، کو نابالغون کے نکاح کا اختیار ہے ؟

۳-کیا باپ کو اپنی بالغ لڑکیون کے نکاح کا کامل اختیار ہے ؟

۴-کیا باپ اگر اپنی کسی نابالغ اولاد کا نکاح کردے، تو پھر بلوغ کے وقت ان کو فسخ کا اختیار نہین رہتا ؟

۵-کیا فسخ کے لیے بلوغ شرط ہے ؟

کیا باپ کیلئے اپنی نابالغ اولاد کا نکاح کر دینا درست نہین

اس مین شک نہین کہ نکاح کے اصلی مقاصد، نابالغی کی حالت مین سراسر معدوم ہین، اسی بنا پر اصول طبعی کا اقتضا تو یہی ہے کہ اس حالت مین نکاح جائز نہ ہو، لیکن اس اصول طبعی پر بالادست اخلاقی اصول ہین، والدین بعض حالات مین مجبور ہوتے ہین کہ اولاد ہی کے آئندہ تحفظ کے لیے وہ نابالغی ہی مین ان کا نکاح کر دین کہ شاید ان کی عمر وفا نہ کرے، اور یہ فرض باقی رہ جائے، بعض اور صورتین بھی ایسی پیش آتی ہین، جن کی وجہ سے اپنے سامنے وہ اس فرض کو ادا کر دینا چاہتے ہین اور اس لیے نابالغی کی حالت مین ان کا نکاح کر دینا مناسب سمجھتے ہین، اس بنا پر یہ اخلاقی اور جذباتی اصول طبعی اصول کی مخالفت پر کبھی مجبور کرتے ہین، اور انھین وجوہ سے، شریعت نابالغی کے نکاح کی اجازت دیتی ہے، الغرض نکاح کے طبعی اقتضا کے علاوہ نابالغ اولاد کی دوسری مصلحتین بھی ایسی ہین جو اسکے جواز کی مقتضی ہین،

یہ جواز قرآن پاک سے بھی ثابت ہے، احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، صحابہ کے آثار اور عمل بھی اسکی تائید مین ملتے ہین، حضرت عائشہؓ کا نکاح، حضرت علیؓ کی نابالغ لڑکی کا حضرت عمرؓ سے نکاح، اور دوسرے صحابہ کا اپنی نابالغ لڑکیون کا نکاح کرنا آثار و سیر سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک مین نابالغ لڑکیون

کے نکاح وطلاق کے احکام ذکر کیے ہین، اگر ایسا نکاح جائز نہ ہوتا تو یہ احکام بیان نہ ہوتے، اسی بنا پر بالاتفاق تمام صحابہ، ائمہ مجتہدین اور فقہاء نے باپ کا یہ حق سمجھا ہے کہ وہ اپنی نابالغ اولاد کا نکاح کرسکے، اور تقریبًا اس کے جواز پر اجماع عام ہے، جیسا کہ ابن عبد البر نے استذکار مین لکھا ہے، اور تمام علمائے احناف اور شوافع نے اس اجماع کا ذکر کیا ہے،

جہان تک معلوم ہے پہلے علماء مین صرف دو صاحبون نے نابالغی کی حالت مین نکاح کے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے، ایک ابن شبرمہ تابعی ہین، اور دوسرے قاضی ابو بکر اصم ہین،

ان مین سے ابن شبرمہ کی نسبت مشکوک ہے کہ انھون نے کیا کہا؛ آیا یہ کہا کہ سرے سے نابالغون کا نکاح درست نہین، یا یہ کہا کہ نکاح تو درست ہوگا، مگر بلوغ کے بعد اسکی اجازت اور رضامندی پر موقوف رہیگا، چنانچہ قاضی ابن عبد البر اور امام طحاوی نے ان سے اسی قسم کی روایت نقل کی ہے[1]،

اس لیے باپ کا اپنی اولاد کا نکاح ان کی نابالغی کی حالت مین کردینا درست ہے، اور اس مین کسی صحابی یا امام مجتہد کا کوئی اختلاف نہین، اور نہ اس مین اختلاف ہے کہ نابالغ خود اپنے اختیار سے ولایت کے بغیر نکاح نہین کرسکتے،

کیا باپ نہ ہو تو دوسرون کو نابالغون کے نکاح کا اختیار ہے؟

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ باپ کی موجودگی، اور زندگی مین کسی اور کو یہ اختیار حاصل نہین، اور اگر کوئی دوسرا کردے تو وہ درست نہ ہوگا، لیکن اگر باپ زندہ نہ ہو، اور لڑکے نابالغ ہون تو ان یتیمون کا نکاح کوئی ولی اپنی مرضی سے اگر کردے تو وہ جائز ہوگا یا نہین، اس مسئلہ مین علمائے تابعین اور ائمہ مجتہدین کے تین فریق ہین[2]،

۱- اگر یتیم لڑکی (اور لڑکے بھی) کا نکاح نابالغی مین کردیا جائے تو نکاح اس وقت تک موقوف رہیگا جب تک وہ بالغ نہ ہوجائے، بلوغ کے بعد اسکو اختیار ہوگا، چاہے اسکو قبول کرلے، اور چاہے اسکو رد کردے، یہ مسلک (امام ابو حنیفہ، اور) بعض تابعین اور دیگر علمائے سلف کا ہے،

[1] عینی شرح بخاری جلد ۹ صفحہ ۱۹۰ و البحر المنتقی و بحر الرائق ثانی جلد ۳ صفحہ ۹۱، [2] جامع ترمذی باب ماجاء فی اکراہ الیتیمۃ علی التزویج

۲- یتیم کا نکاح نابالغی مین کرنے کا کسی کو حق نہین، اگر کوئی کردے تو وہ جائز نہ ہوگا، جب تک وہ خود بالغ نہ ہوجائے، یہ سفیان ثوری اور امام شافعیؒ وغیرہ کا قول ہے،

۳- یتیم لڑکی کا سن اگر نو برس (جو بلوغ کی کم سے کم مدت ہے) سے کم ہے، تو جائز نہ ہوگا، اور اگر نو برس یا اس سے زیادہ ہے، تو وہ اگر اپنی رضامندی ظاہر کرے تو جائز ہے، اور حقیقتًا بلوغ ظاہر ہونے کے بعد پھر اسکو اختیار باقی نہ رہیگا،

دوسرے اور تیسرے مسلک مین کوئی فرق نہین، دونون کے نزدیک حالت نابالغی مین ناجائز ہوگا، اور بلوغ کے بعد اسکی رضامندی ہی سے نکاح ہوسکتا ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ دوسرے قول کی بنا پر رضامندی کے لیے اس کے واقعی بلوغ کی ضرورت ہے، اور تیسرے قول کے مطابق اسکی رضامندی کے قابل قبول ہونے کے لیے اس کا قانونی بلوغ جو کم از کم نو سال ہے، کافی ہے،

نو سال کی تحدید حضرت عائشہؓ کی رائے کی بنا پر ہے کہ جب لڑکی نو سال کی ہوجائے تو وہ عورت ہے، کیونکہ وہ نو ہی برس کی عمر مین آنحضرت صلعم کے گھر رخصت ہوکر آئی تھین مگر یہ درحقیقت شخصی واقعہ کو عام بنانا ہے، اگر ایک لڑکی اس عمر مین سن تمیز کو پہنچ جائے تو یہ قاعدہ عمومی نہین قرار دیا جاسکتا ہے، اس واقعہ کا نتیجہ صرف اس قدر ہوگا کہ اگر کوئی نو برس کی لڑکی بلوغ کا دعویٰ کرے، تو اسکی تکذیب نہین کیجاسکتی کہ طبعًا ایسا ممکن ہے،

ان اختلافات کی بنیاد یہ ہے کہ "یتیم" کا لفظ اصل لغت مین اس نابالغ کے لیے استعمال ہوتا ہے، جسکا باپ مرگیا ہو، مگر روزمرہ کے بول چال مین نوجوان اور نوخیز بالغون کے لئے بھی بول دیا جاتا ہے، اسلیے ہر فریق اوس آیت یا حدیث مین جو اس کے مسلک کے خلاف ہے، کبھی یہ معنی اور کبھی وہ معنی لے لیتا ہے، مثلًا حسب ذیل آیتون سے ائمہ احناف نابالغ یتیمون کے نکاح کا جواز ثابت کرتے ہین،

۱- وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (نساء ۱)

اور اگر تم کو یہ خوف ہو کہ یتیم لڑکیون کے بارہ مین تم انصاف نہ کرسکوگے، تو ان کے سوا اور عورتون سے جو تم کو پسند ہون نکاح کرو،

۲- وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ

اور جو تم کو قرآن مین ان یتیم عورتون کے بارے مین حکم

الّٰتِی لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۔ (نساء ۱۹)

دیا گیا ہے جنکو تم نہین دینا چاہتے جوان کے لیے مقرر کیا گیا ہو اور ان سے نکاح بھی کرنا چاہتے ہو اور نابالغ لڑکون کی نسبت بھی تم پوچھتے ہو تو یتیمون کیساتھ انصاف کرو،

احناف جو اس بات کے قائل ہین کہ اولیا یتیمون کا نکاح کرسکتے ہین، وہ ان آیتون سے استدلال کرتے ہین کہ اس مین یتیمون کے ساتھ انصاف کرنے اور یتیم لڑکیون کے پورا حق مہر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نفس نکاح کو منع نہین کیا گیا ہے، شوافع، مالکیہ اور دیگر علمائے مدینہ کہتے ہین کہ ان آیتون مین جن یتیمون کے نکاح کی اجازت ثابت ہوتی ہے، ان سے بالغ مراد ہین، کیونکہ پہلی آیت مین یہ کہا گیا ہے کہ اُن یتیمون کو چھوڑکر دوسری **عورتون** سے شادی کرلو، عورت کا اطلاق جوان لڑکی پر ہوتا ہے، اس سے ظاہر ہوا کہ جن یتیمون کی جگہ پر دوسری عورتون سے نکاح کا حکم دیا گیا ہے، وہ بھی یتیم ہی عورتین، یعنی صاحب تمیز اور بالغ لڑکیان ہونگی، اور دوسری آیت مین تو صاف یہ کہا گیا کہ یتامی النساء یعنی **عورتون** مین سے یتیم (یا یتیم عورتین) اور عورت (نساء) کا اطلاق بالغ ہی لڑکی پر ہوگا، اور ان پر یتیم کا اطلاق عام بول چال کے مطابق کیا گیا ہے، جو کمسن بالغون کو بھی کہا جاتا ہے،

احناف کہتے ہین کہ اول تو یتیم لغت مین نابالغ ہی کے لیے بولا جاتا ہے، پھر آیت مین ایسا قرینہ موجود ہے جس سے نابالغی سمجھی جاتی ہے، کیونکہ حضرت عائشہؓ کی تفسیر کے مطابق ان آیتون سے جسمین بے انصافی کا ذکر ہے مراد یہ ہے کہ اولیا، بوجہ اپنے اختیار ولایت کے ان یتیمون کو مہر کم کرکے دینا چاہتے ہین، اور یہ اختیار ان کے ہاتھ مین اسی وقت ہے جب وہ خود ہی دینے والے اور ولی ہونے کی حیثیت سے خود ہی قبول کرنے والے ہون، تو جو چاہین وہ مہر باندھ لین، لڑکی کو نابالغی کے باعث کوئی اختیار نہ ہوگا، اگر اون کو بالغ فرض کیا جائے تو تعین مہر کا ان کو اختیار ہی نہ رہیگا جو وہ اپنے حسب مرضی کم مہر مقرر کرسکین، بالغ لڑکی تو خود انکار کردیگی اسلیے یہ نابالغون ہی کے متعلق حکم ہوسکتا ہے،

مخالفین نے جو یہ کہا ہے کہ عورت (النساء) کا اطلاق صرف بالغہ پر ہوتا ہے یہ لغت کے اعتبار سے

صحیح ہے، مگر فقہ و قانون کی زبان مین اس کا اطلاق نابالغ لڑکیون پر بھی ہوتا ہے، جیسا کہ وراثت کی آیت مین ہے کہ

وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۔ (نساء ۲۴)

اور اگر وہ وارث بھائی بہنین ہون، مرد اور عورت، تو مرد کو دو عورتون کے برابر حصہ ملیگا

توکیا یہ سمجھا جائے کہ یہان نساء سے صرف بالغ عورتین مراد ہین، اور نابالغ لڑکیون کا اپنے باپ کے ترکہ مین کوئی حصہ نہین، حالانکہ یہ سب کے نزدیک قطعاً غلط ہے

قرآن پاک کے بعد احادیث کا درجہ ہے، چارون سنن مین یہ حدیث صحیح موجود ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا

الیتیمة تستامر فی نفسہا فان صمتت فہو اذنہا، وان ابت فلا جواز علیہا (ابوداؤد و نسائی و دارقطنی و ترمذی و حاکم)

یتیم لڑکی سے اوسکی ذات کی نسبت اجازت لیجائے، اگر وہ خاموش رہے (یعنی شرم کے باعث) تو یہ اسکی اجازت ہے اور اگر انکار کردے تو پھر اس پر کوئی زبر نہین،

مستدرک حاکم مین یہ الفاظ ہین،

وان ابت فلا کرہ علیہا (بشرط مسلم)

اور اگر وہ انکار کردے تو پھر اس پر زبردستی نہین،

نابالغ یتیمہ کا نکاح جو جائز نہین سمجھتے وہ کہتے ہین کہ اس حدیث مین یہ حکم ہے کہ یتیمہ کا نکاح اسکی اجازت کے بغیر نہین ہوسکتا، اور ظاہر ہے کہ نابالغہ کی اجازت اور رضامندی کوئی معنی نہین رکھتی اگر وہ بے سمجھ ہے، اور اسی لیے اس کے دیگر معاملات کے لیے ولایت کی ضرورت ہوتی ہے، اس بنا پر اس حدیث کا صریح مطلب یہ ہے کہ یتیمہ اگر بالغہ ہے تو وہ خود اپنی اجازت سے نکاح کرے گی، اور اگر نابالغہ ہے تو اس وقت تک اوس کے نکاح کے لیے انتظار کیا جائے گا جب تک وہ بالغ ہوکر اجازت دینے اور رضامندی ظاہر کرنے کے لائق نہ ہوجائے۔

احناف کہتے ہین کہ یہ حکم صرف بالغہ یتیمہ سے متعلق ہے، اور اگر بالغہ اور نابالغہ دونون سے بھی متعلق ہو تو اس کے معنی یہ ہین کہ جو لڑکی بلوغ کے سبب سے اس قابل ہے کہ وہ رضامندی یا نارضامندی ظاہر کرکے اسکو جائز و ناجائز کردے وہ اسی وقت کردیگی، لیکن جو نابالغہ ہے، اس کا نکاح رائے کے اظہار کی قابلیت یعنی بلوغ تک

موقوف رہیگا، بالغ ہوکر وہ اپنی رضامندی اور اجازت ظاہر کرکے اس کو قبول کرلے یا انکار کرکے نکاح فسخ کرادے اس بنا پر احناف کہتے ہیں کہ ان کا مسلک اس حدیث کے بھی خلاف نہیں ہے،

ایک اور حدیث ہے جس میں رسالت مآب صلعم کے عہد کا ایک واقعہ مذکور ہے، اس واقعہ کا ذکر پہلے نمبر میں بھی آچکا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت قدامہ بن مظعون رضؓ نے اپنی یتیم بھتیجی کا نکاح حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے کر دیا، لڑکی نے کسی وجہ سے اسکو پسند نہیں کیا، اور دربار رسالت میں جاکر فریادی ہوئی، چچا نے کہا یا رسول اللہ بھائی نے وصیۃً اس لڑکی کو میرے سپرد کیا ہے، اور میں نے دیکھ بھال کر یہ شادی کی، اوسکی ماں محض مال کے لالچ سے اس کو انکار پر آمادہ کرکے دوسرے سے بیاہ دینا چاہتی ہے، آپ نے فرمایا جو کچھ ہو،

ھی یتیمۃ لاتنکح الا باذنہا (دارقطنی واحمد، بسند صحیح) وہ یتیم لڑکی ہے اسکا نکاح اوسکی اجازت کے بغیر نہیں کیا جاسکتا،

شوافع اس سے استدلال کرتے ہیں کہ نابالغ یتیم کا نکاح جائز نہیں تاوقتیکہ وہ بالغ ہوکر اجازت دینے کے قابل نہ ہوجائے، احناف کہتے ہیں کہ وہ لڑکی بالغ تھی، اسلیے آپ نے اوسکو خود مختار قرار دیا (جوہر النقی ج ۲ ص ۹۰) یا یہ مطلب ہے کہ نکاح کے بعد جب وہ بالغ ہوگئی، تب آپ نے اسکو یہ اختیار دیا، (سرخسی ج ۲ ص ۲۱۵)

احناف کی تائید میں دوسری دلیل صحابہ اور تابعین کا طرز عمل ہے کہ انھوں نے نابالغ یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کی اپنی ولایت میں شادی کی ہے، اس سلسلہ میں بڑے بڑے صحابہ اور تابعین کے نام لیے جاتے ہیں، چنانچہ ابو بکر رازی حنفی المتوفی ۳۷۰ھ نے اپنی کتاب احکام القرآن میں حضرت علیؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، زید بن ثابتؓ ام المومنین ام سلمہؓ کے اسمائے گرامی صحابہ میں، اور حسن بصریؒ، طاؤسؒ اور عطاؒ کے نام تابعین میں گنائے ہیں[1]

ابن عبد البر مالکی نے الاستذکار میں لکھا ہے کہ عروہ بن زبیر نے اپنی یتیم بھتیجی کا نکاح اپنے لڑکے سے کر دیا تھا، اور لکھا ہے کہ یہی مذہب ابو حنیفہؒ، امام محمدؒ، حسن بصریؒ، عطاؒ، طاؤسؒ، عمر بن عبد العزیزؒ، قتادہؒ، ابن شبرمہ (؟) اور اوزاعی کا ہے[2] ترمذی کتاب النکاح میں ہے کہ بعض تابعین کا اور ان کے علاوہ اور دوسروں کا یہی قول ہے[3]، حافظ ابن القیم جیسے ناظر فدار نے بھی

[1] احکام القرآن رازی جلد ۲ صفحہ ۸ مطبوعہ قسطنطنیہ [2] جوہر النقی ابن ترکمانی جلد دوم صفحہ ۹۰، حیدرآباد دکن [3] جامع ترمذی کتاب النکاح

اسکی تائید کی ہے[1]، اور امام سرخسی نے مبسوط میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، ابن عمرؓ اور ابوہریرہؓ کے آثار کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ خود آنحضرت صلعم نے اپنی نابالغ یتیم چچازاد بہن سید الشہدا حضرت حمزہؓ کی لڑکی (امامہؓ) کا نکاح ابن ابی سلمہ سے کیا تھا[2]،

لیکن یہیں سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر یتیم لڑکی اگرچہ وہ نابالغ ہی کیوں نہ ہو اپنے نکاح کی اجازت دینے سے، یا نکاح کے قبول کرنے سے انکار کرے تو کسی ولی کو جبر اور زبردستی کرنے کا حق نہیں پہنچتا، اور نہ یہ صحیح ہے کہ وہ بلوغ کی علامت خاص ظاہر ہونے تک خاموش بیٹھی رہے اور اس علامت کے ظاہر ہونے کے بعد وہ نکاح فسخ کرسکتی ہے، اور اس سے پہلے وہ ولی کے ہاتھ میں مجبور محض ہے، آیات، احادیث اور آثار سے جو کچھ ثابت ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اولیاء نے یتیم لڑکیوں کی شادیاں کردیں، اس سے اتنا ثابت ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے، اسلیے کہ ان لڑکیوں نے انکی مخالفت نہ کی، اور ان کے فیصلوں کو اپنی رضامندی سے بسر و چشم قبول کرلیا، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر وہ اس وقت ہوش اور تمیز رکھتی ہیں، گو وہ بالغ نہ ہوں، اور وہ اسی وقت اوسکے تسلیم کرنے سے انکار کردیں، یا ہوش و تمیز آنے کے بعد انکار کردیں تو کیا یہ ان کا انکار قانوناً اس وقت تک تسلیم نہ ہوگا، جب تک وہ "باقاعدہ" بالغ نہ ہوجائیں،

متعدد احادیث اور آثار سے اس کے خلاف ثابت ہے، اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اقرار و انکار کے لیے بلوغ کی شرط نہیں، بلکہ اس کے لیے صرف ہوش و تمیز کافی ہے، (تفصیل آگے آئے گی) اور نکاح اس وقت تک موقوف رہیگا جب تک وہ زبانی یا عملی، یا دریافت کرنے پر خاموشی کے اظہار سے اپنی رضامندی ظاہر نہ کردے یا انکار نہ کردے، حضرت عثمان بن مظعونؓ کی کمسن لڑکی (جاریہ) کا واقعہ اس کا ثبوت ہے، کہ ان کے چچا نے لڑکی کی رائے دریافت کیے بغیر اس کا نکاح حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے کردیا، لڑکی نے ماں کے کہنے سے اسکے تسلیم کرنے سے انکار کردیا، اور جب یہ مقدمہ دربار رسالت میں پیش ہوا، تو چچا کے یہ کہنے کے باوجود کہ بھائی نے یہ لڑکی میرے سپرد کی ہے، آنحضرت صلعم نے لڑکی کے حق میں فیصلہ کیا، اور فرمایا کہ یہ بن باپ کی لڑکی ہے، اس کا نکاح

[1] زاد المعاد ابن قیم، جلد دوم صفحہ ۲۰۹، مصر، [2] مبسوط سرخسی جلد ۴ صفحہ ۲۱۴،

اسی کی اجازت سے ہو سکتا ہے، یہ حدیث مسند احمد، دار قطنی، ابن ماجہ اور حاکم مین ہے، یہ الفاظ دار قطنی کے ہین اور تھوڑے تھوڑے الفاظ کے تغیر کے ساتھ مختلف سندون سے اسکی روایت کی ہے،

اس واقعہ سے دو باتین ثابت ہوتی ہین، ایک یہ ہے کہ باپ کے نہ ہونے کی صورت مین دوسرے اولیا، اگر کسی یتیم کا نکاح پڑھا دین تو وہ جائز ہوگا، کیونکہ آپنے حضرت قدامہؓ کو یہ نہین فرمایا کہ تم کو اسکا حق نہ تھا اور یہ نکاح باطل ہے، حضرت ابن عمرؓ کہتے ہین جیسا کہ احادیث مین ہو کہ وہ میری ملکیت ہو جانے کے بعد مجھ سے چھین لیگئی، (وانتزعت منی واللہ بعد ان ملکتہا) اور حاکم مین بشرط صحیحین ہے کہ آپنے ابن عمرؓ کو اسکے چھوڑ دینے (مفارقت) کا حکم دیا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نکاح فی نفسہ جائز ہوا، دوسری بات اس حدیث سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ یہ نکاح گو جائز ہوگا، مگر موقوف رہیگا یعنی اسکا نفاذ لڑکی کی رضامندی یا نارضامندی پر موقوف رہیگا، اگر اس نے علم اور ہوش کے بعد اسکو زبانی یا عملی طور سے قبول کر لیا تو نافذ ہوگا، اگر قبول کیا اور انکار کر دیا تو فسخ ہو جائے گا،

دوسری حدیث سے بھی، جو سنن کی اکثر کتابون مین ہے، یہی بات صراحۃً ثابت ہوتی ہے، آپنے فرمایا،

عن ابی موسیٰ سمع النبی صلعم یقول تستامر الیتیمۃ فی نفسہا فان سکتت فہو رضاہا وان کرہت فلا کرہ علیہا (حاکم بشرط بخاری و مسلم و دار قطنی)

ابو موسیٰ کہتے ہین کہ مین نے رسول اللہ صلعم کو فرماتے سنا کہ یتیم لڑکی سے اوسکی ذات کے بارہ مین دریافت کیا جائیگا اگر وہ خاموش رہے تو یہ اوسکی رضامندی ہے، اور اگر انکار کرے تو اس پر جبر نہین،

یہ حدیث اپنی سند کی صحت کے لحاظ سے بخاری اور مسلم کی حدیثون کے برابر ہے، دوسری حدیث اسی معنی کی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے،

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلعم الیتیمۃ تستامر فی نفسہا فان صمتت فہو اذنہا

ابو ہریرہ کہتے ہین کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ یتیم لڑکی سے اسکی ذات کے بارہ مین اسکی مرضی دریافت کیجائے گی، اگر

وان ابت فلا جواز علیہا (ترمذی و ابوداؤد وغیرہ)

وہ چپ رہی تو یہ اسکی اجازت ہے، اور اگر انکار کیا تو اسپر جبر نہین،

نسائی مین ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ

ان النبی صلعم قال والیتیمۃ تستامر فصمتہا اقرارہا،

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ یتیم لڑکی کی مرضی دریافت کیجائے گی، تو اسکی خاموشی اسکا اقرار ہے.

یہ مسئلہ کہ اسکو اپنی رضامندی اور نارضامندی کا کب اور کبتک اظہار کرنا چاہیئے اس کا بیان آگے آتا ہے

کیا باپ کو اپنی بالغ لڑکیون کے نکاح کا کامل اختیار ہے؟

اس مسئلہ مین احناف اور شوافع کا اختلاف ہے،

امام شافعیؒ کے نزدیک جس عورت کا نکاح ایک دفعہ ہو چکا ہے، وہ خود مختار ہے اور اپنی رضامندی سے وہ جہان چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے، باپ کو اوس مین کوئی دخل نہ ہوگا، لیکن جبتک وہ کنواری ہے، خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ ہو، اوسکو اپنی ذات کا کوئی اختیار نہین، وہ باپ کے اختیار مین ہے جہان چاہے وہ اس کا نکاح کر دے، بشرطیکہ وہ غیر کفو مین نہ کر دے، یا دین مہر کم نہ قبول کر لے، اگر ایسی کوئی بات ہے، تو ان باتون کی وجہ سے وہ فسخ کا دعویٰ کر سکتی ہے، ورنہ وہ اس معاملہ مین مطلق بے اختیار اور ناچار ہے اور اپنی نارضامندی اور ناپسندیدگی کے باوجود وہ باپ کے فیصلہ کے سامنے سر اطاعت خم کر دینے پر مجبور ہے،

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے بالغہ عورت کو خواہ وہ کنواری ہو یا اس کا پہلے بیاہ ہو چکا ہو، دونون صورتون مین خود مختار تسلیم کیا ہے اور باپ کا کوئی حق نہین سمجھا ہے، کہ وہ بالغہ عورت پر جبر کر سکے، اور اوسکی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح کہین کر سکے، ان دونون اماموں کی فقہ کے درمیان اصلی فرق یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک لڑکی کی بے اختیاری کی وجہ اسکی کمسنی، اور عدم بلوغ ہے، اور امام شافعی کے نزدیک کنوارپن ہے، اسلیے امام اعظم کے نزدیک جب لڑکی بالغ ہو جائے گی تو اس کو اپنے معاملہ کا اختیار اور حق حاصل ہو جائے گا، اور امام شافعی کے نزدیک جب تک اس کا کنوارپن دور نہ ہوگا اسکو اپنی ذات کا اختیار اور حق حاصل نہ ہوگا،

حق یہ ہے کہ اس مسئلہ مین حق امام اعظم کیساتھ ہے، یہی اکابر تابعین کا مسلک ہے، اور قرآن پاک اور احادیث

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار اور طرزِ عمل سے ثابت ہے، یہان تک کہ حافظ ابن قیم نے بھی باوجود آزادیِ تقلید بڑے زور شور سے زاد المعاد مین اسکی تائید کی ہے، وہ لکھتے ہین،

"یہی جمہور سلف کا قول، اور امام ابو حنیفہ اور ایک روایت مین امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے اور یہی وہ قول ہے جس مین ہم خداوند تعالیٰ کی اطاعت سمجھتے ہین، اور اس کے خلاف کے ہم معتقد نہین اور یہی بات رسول اللہ صلعم کے فیصلہ اور حکم اور ممانعت، اور آپکی شریعت کے قواعد، اور امت کے مصالح کے مطابق ہے، آپ کا فیصلہ یہ ہے کہ آپ نے کنواری لڑکی کو جو باپ کے نکاح کردینے سے خوش نہ تھی، اختیار دیا کہ وہ چاہے نکاح باقی رکھے یا توڑ دے،...... آپ کا حکم یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کنواری عورت کی اجازت حاصل کرلیجائے، اور یہ تاکیدی صیغہ ہے جو وجوب کے لیے آتا ہے، جب تک اس کے خلاف قرینہ سے یہ نہ ثابت ہوجائے کہ یہان وجوب مراد نہین ہے، اور یہان کوئی قرینہ ایسا نہین ہے، آپکی ممانعت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کنواری لڑکی کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اوسکی اجازت نہ لے لی جائے تو اعد شریعت کی مطابقت یہ ہے کہ عاقل، بالغ، سمجھدار کنواری لڑکی کی کسی ملکیت مین باپ کو اسکی رضامندی کے بغیر تصرف کا کوئی حق حاصل نہین ہے، اور کوئی معمولی سی چیز بھی وہ بغیر اس سے نہین لے سکتا، پھر یہ کیونکر ممکن ہو کہ اس کے جسم کو وہ اوسکی رضامندی اور پسند کے بغیر زبردستی کسی دوسرے کے حوالے کردے، حالانکہ وہ اسکو سخت ناپسند کرتی ہو، اور اس سے اوسکو سخت نفرت ہو، اور وہ اسکی قیدی قرار دی جائے، ...... امت کی مصلحتون کے مطابق اسلیے ہے کہ لڑکی اپنے اختیار اور پسند سے جو نکاح کرتی ہے اوراس سے نکاح کے جو مقاصد حاصل ہوتے ہین وہ مخفی نہین ہین، اگر سنت صحیحہ کا یہ فیصلہ جو موجود ہے نہ بھی ہوتا تو بھی قیاس صحیح اور شریعت کے قواعد کا یہی فیصلہ ہوتا"[1]

امام شافعی نے کتاب الام[2] مین اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے، مگر تعجب ہوتا ہے کہ انھون نے کنواری لڑکیون

[1] زاد المعاد حکمہ صلعم فی الثیب والبکر ج ۲ ص ۲۰۰، مصر، [2] کتاب الام امام شافعی جلد ۵ صفحہ ۱۵۰

کی اجازت اور باپ کے مقابلہ مین ان کی ترجیحِ حق کی کوئی حدیث نقل نہین کی، اور صرف ایک حدیث کے اشارہ (مفہوم شرط) سے یہ ثبوت بہم پہنچانا چاہا ہے کہ کنواری لڑکی کو اپنی نسبت آپ فیصلہ کا حق حاصل نہین، اور باپ کو اس پر کلی اختیار حاصل ہے، اور وہ حدیث یہ کہ الثیب احق بنفسہا من ولیہا، یعنی جس عورت کا ایک دفعہ بیاہ ہوچکا وہ ولی سے زیادہ اپنے اوپر اختیار رکھتی ہے"۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کنواری لڑکی پر اس سے زیادہ اس کے ولی کو جابرانہ حق حاصل ہے، لیکن یہ پوری حدیث یون ہے،

الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر تستامر واذنہا سکوتہا (صحیح مسلم)	ایک دفعہ کی بیاہی عورت اپنی نسبت اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے، اور کنواری عورت سے اسکی اجازت لیجائے اور اسکی اجازت اسکی خاموشی ہے،

امام ابن الہمام حنفی نے فتح القدیر[3] مین لکھا ہے، کہ "اول تو نص کے ہوتے ہوئے جسمین کنواری عورت کا نکاح اسکی اجازت کے بغیر کرنے کی ممانعت ہے، مفہوم شرط کو لینا، کہ چونکہ ایک دفعہ کی بیاہی کو خود مختار بنایا گیا ہے، اسلیے کنواری خود مختار نہین ہے، صحیح نہین ہے، دوسرے یہ کہ اگر کنواری لڑکی کی مرضی کا کوئی اعتبار نہین ہے، تو باپ کو اسکی رضامندی دریافت کرنے کا حکم کیون دیا گیا، اور اسکی رضامندی اور نارضامندی کا جب کوئی اثر نہین، تو پھر اس دریافت، تحقیق اور پرسش کی ضرورت کیا ہے"، امام شافعی کہتے ہین کہ یہ دریافت و پرسش محض لڑکی کی خوشی کے لیے استحباباً ہے، مگر سوال یہ ہے کہ جب اس لڑکی کو معلوم ہے کہ اس پرسش کا اس کے حق مین کوئی فائدہ نہین ہے تو اس کو کیا خوشی ہوسکتی ہے، پھر اس حدیث کا کیا جواب دیا جائے گا جس مین یہ الفاظ ہین کہ "کنواری لڑکی کا اسکی مرضی دریافت کئے بغیر نکاح نہ کیا جائے"، اور آنحضرت صلعم کے ان فیصلون کا کیا جواب ہوگا جنمین آپ نے کنواری لڑکیون کو باپ کے مقابلہ مین، حقِ ترجیح عنایت کیا، اور ان کی ناپسندیدگی پر نکاح کو رد کردیا ہے بلکہ امام شافعی کی کتاب الام مین اس قسم کی کسی حدیث کا اس موقع پر تذکرہ نہین ملتا، قیاسات مذکور ہین جنمین اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر لڑکی کی مرضی دریافت کرنے کا کوئی ثمرہ نہین ہے تو اس سے پوچھنے کی کیا

[3] فتح القدیر ابن ہمام جلد ۲

حاجت ہے؟ جواب یہ دیا ہے کہ دریافت اور مشورہ کے لیے یہ ضرور نہین کہ اس کو قبول بھی کر لیا جائے، آنحضرت صلعم کو امتیون سے مشورہ کا حکم دیا گیا ہے کہ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ مگر ان کے مشورہ کے تسلیم کر لینے پر آپ کو مجبور نہین کیا گیا ہے، بلکہ خود امت کو رسول کے فیصلہ کی تعمیل کا حکم دیا گیا ہے، اور فرمایا،

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا	نہین، قسم ہے تیرے پروردگار کی کہ وہ مومن نہ ہونگے
شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ	جب تک کہ آپس کے اختلافات مین وہ آپکو حکم نہ بنائین پھر
حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا	جو آپ فیصلہ کرین اس سے اپنے دل مین تنگی نہ پائین، اور
(نساء)	پوری طرح اسکو تسلیم نہ کرلین

مگر یہ جواب اس وقت مسلم ہو سکتا ہے، جب اسی طرح کی کسی نص سے اس مسئلہ مین باپ کی اطاعت بھی اسی طرح واجب التعمیل ثابت ہو جائے جیسی کہ رسول کی اطاعت کے اس نص اور دوسرے نصوص کے روسے واجب التسلیم ہے، علاوہ ازین جن امور مین رسول کو مشورہ کے لیے کہا گیا ہے، وہ عام امت (امر) کے عمومی بلکہ سیاسی مصالح سے متعلق ہین اور یہان خود اپنی ذات اور تشخص کے متعلق بحث ہے، اور ان دونون مین بڑا فرق ہے، بلکہ ذاتی معاملات مین بھی رسول کے فیصلہ کی اطاعت اور تعمیل واجب ہے جیسا کہ خود اس آیت کے شان نزول کے قصہ مین مذکور ہے، مگر باپ کی اطاعت ان امور مین اولاد کا اخلاقی فرض ہے، قانونی نہین جیسا کہ آنحضرت صلعم نے حضرت ابن عمرؓ کو انکی محبوب بیوی کی طلاق کے بارہ مین اپنے والد بزرگوار کی اطاعت کا حکم دیا، اور حضرت ابن عمرؓ نے آپکے ارشاد کے مطابق اپنے والد کے حکم کی تعمیل کی، اور بیوی کو طلاق دیدی، یہ واقعہ تمام کتب احادیث مین مذکور ہے، تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے گا کہ باپ کو اپنے بیٹے سے طلاق دلوانے کا قانونی حکم حاصل ہے؟ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہین، غرض اخلاقی اطاعت اور چیز ہے، اور قانونی حق اور بات ہے، لڑکی پر بھی اخلاقاً فرض ہے کہ وہ باپ کی مرضی پر عمل کرے، مگر شریعت کے روسے وہ قانوناً مجبور نہین ہے، اور یہان بحث اخلاقی فرائض سے نہین بلکہ قانونی حقوق سے ہے،

امام شافعیؒ نے آگے فرمایا ہے کہ اگر آنحضرت صلعم کا یہ مقصود ہوتا کہ کنواری اور ایک دفعہ کی بیاہی دونون اپنے اوپر ولی سے زیادہ اختیار رکھتی ہین اور دونون اسمین برابر ہین، جیسا کہ تم کہتے ہو، تو عبارت یہ نہ ہوتی، کہ "ایک دفعہ کی بیاہی کو اپنے اوپر ولی سے زیادہ اختیار ہے اور کنواری سے دریافت کر لیا جائے." بلکہ یہ ہوتی کہ کنواری اور ایک دفعہ کی بیاہی دونوں کو اپنے اوپر ولی سے زیادہ اختیار ہے" یا یہ ہوتا کہ نفس بالغ عورت کو اپنے اوپر ولی سے زیادہ اختیار ہے، مگر آپنے یہ نہین فرمایا، اس اختلافِ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دفعہ کی بیاہی عورت کو جو اختیار حاصل ہے وہ کنواری کو نہین ہے.

امام ابن الہمام نے اس کا اچھا جواب دیا ہے، وہ یہ ہے کہ عرب کا دستور اور عرف یہ تھا اور ہے کہ ایک دفعہ کی بیاہی عورت سے لوگ براہِ راست پیغام بھیج سکتے تھے، اور بھیجتے تھے، اور بھیجتے ہین، اور کنواری لڑکیون کے لیے پیغام ولی کو دیتے تھے اور دیتے ہین، اسلیے عبارت کا یہ اختلاف ہے، نیز یہ کہ دونون کی اجازت مین بھی فرق ہے، ایک دفعہ کی بیاہی عورت زبان سے اجازت دیگی، اور کنواری لڑکی عموماً اس قدر بیباک نہین ہو سکتی اسلیے اگر وہ زبان سے کچھ نہ کہے اور خاموش رہے تو بھی اسکی اجازت سمجھی جائے گی، اس بنا پر بھی آنحضرت صلعم نے وہ اسلوب بیان اختیار نہین فرمایا، اس کے علاوہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ مین وہ الفاظ بھی مذکور ہین جنمین کنواری اور ایک دفعہ کی بیاہی کا فرق نہین رکھا گیا ہے، بلکہ مطلق "بے شوہر عورت" کے الفاظ آئے ہین، آپ نے فرمایا،

الايم احق بنفسها من وليها والبكر تستاذن	بے شوہر کی عورت اپنے ولی سے زیادہ اپنے اوپر حق رکھتی
في نفسها، واذنها صماتها،	ہے، اور کنواری لڑکی سے اجازت لیجائے اور اسکی اجازت اسکی خاموشی ہے

یہ حدیث صحیح مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، اور موطا امام مالک مین بسند صحیح مذکور ہے، اسمین "ایم" کا لفظ آیا ہے، عربی مین ایم بے شوہر کی عورت کو کہتے ہین، خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ اور مطلقہ ہو، چنانچہ قرآن پاک مین باتفاق مفسرین اسی معنی مین یہ لفظ آیا ہے، جہان کہا گیا ہے "أَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ" (اپنے مین سے بے شوہر والیو کا بیاہ کردو) میری سمجھ مین کنواری اور ایک دفعہ کی بیاہی عورت کی اجازت کے متعلق اس اختلاف بیان کی وجہ یہ ہے،

جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ کنواری عورت میں شرم وحیا زیادہ ہوتی ہے، وہ اپنی نسبت اپنی زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتی، اسلیئے اگر زبان سے اقرار اس کے لیے ضروری قرار دیا جاتا تو سخت مشکل پیش آتی، چنانچہ حضرت عائشہؓ وغیرہ نے اس خیال کو ظاہر کیا ہے، اور ایک دفعہ کی بیاہی عورت نسبۃً دلیر ہوتی ہے، اور بول سکتی ہے اور بولتی ہے، اس لیے اس کیلئے زبان کا اقرار ضروری قرار دیا گیا، اب اس اختلافِ عبارت پر غور کیجئے، آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ کی بیاہی عورت اپنی نسبت اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے، اسلیئے اسکی طرف سے ولی کو کچھ کہنے کی حاجت نہیں، وہ خود کہہ لے اور وہی خود اپنی زبان سے اجازت دے، اور کنواری عورت چونکہ ایسے موقع پر زبان سے کچھ نہیں بولتی، اسلیئے پوچھنے پر خاموش رہے تو اسکی اجازت سمجھی جائے، اور دریافت اور خاموشی کے بعد اس کا ولی اسکی طرف سے نیابت کریگا، اور اسکی خاموشی کے معنی اسکی رضامندی کے قرار دیئے اور نکاح ہوجائے گا، اور اگر وہ بھی اپنی زبان سے رضامندی ظاہر کر سکے تو اسکی طرف سے اس نیابت کی بھی کوئی ضرورت نہیں، بہرحال کرنے نہ کرنے کا اختیار خود لڑکی کے ہاتھ میں ہے، اس تفسیر کی تائید حضرت عدی کی روایت سے جو ابن ماجہ میں ہے پوری طرح ہوتی ہے، "الثیب تعرب عن نفسہا والبکر رضاہا صمتہا" بیاہی خود اظہار مطالب کرے، اور کنواری کی خاموشی رضامندی ہے" پھر امام شافعی جو الفاظ چاہتے ہیں، وہ بھی نسائی اور مستدرک کی حدیثوں میں موجود ہے "استامروا النساء عن ابضاعہن" عورتوں سے (یعنی کنواری ہو یا ایکدفعہ کی بیاہی دونوں سے یکسان) اون کے جسم کی نسبت دریافت کر لیا کرو" نسائی میں ہے "ولا تنکحوا النساء حتی تستامروھن" عورتوں کا نکاح نہ کرو جب تک ان سے دریافت نہ کر لو" پھر ایک روایت میں حصر کیساتھ بھی حکم موجود ہے کہ "ولا البکر الا باذنہا" کنواری کا نکاح نہیں ہو سکتا لیکن اوسکی اجازت سے"

کیا اس تفصیل کے بعد اس مسئلہ میں کوئی شک رہ جاتا ہے؛

اب سوال وجواب سے قطع نظر کرکے، اس بارہ میں جو احکام اور واقعات احادیث میں بیان ہوئے ہیں، ان کو بھی سن لیجئے،

احکام

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جو احسانات اپنی جنسی بہنوں پر ہیں، اونکی تفصیل سیرۃ عائشہؓ میں بیان ہو چکی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلعم سے انکی نسبت دریافت کیا کہ یارسول اللہؐ کمسن لڑکی (جاریہ) کا نکاح اس کے گھر کے لوگ کر دیتے ہیں، تو اس میں اوسکی مرضی بھی دریافت کیجائے یا نہیں۔ فرمایا ہاں لیجائے، عرض کی یارسول اللہ وہ تو شرم کرتی ہے، (یعنی شرم کی وجہ سے زبان سے بول نہیں سکتی) فرمایا اوسکی اجازت یہ ہے کہ وہ چپ رہے" صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں، سالت رسول اللہ صلعم عن الجاریۃ ینکحہا اہلہا تستامر ام لا، فقال رسول اللہ صلعم نعم تستامر، فقالت عائشۃ فقلت لہ فانہا تستحی فقال رسول اللہ صلعم فذالک اذنہا اذا ھی سکتت (بخاری، مسلم وابوداؤد وغیرہ)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا،

لا تنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن قالوا یارسول اللہ وکیف اذنہا قال ان تسکت (بخاری ومسلم ونسائی)

بن شوہر کی عورت کا نکاح نہ کیا جائے جبتک اسکا امر نہ دریافت کر لیا جائے، اور کنواری عورت کا نکاح کیا جائے جبتک اس سے اجازت نہ لیجائے، لوگوں نے کہا یارسول اللہ اسکی اجازت کیونکر ہوگی فرمایا اس طرح کہ وہ خاموش رہے،

اسی روایت کے دوسرے الفاظ یہ ہیں،

الثیب احق بنفسہا من ولیہا، والبکر تستامر واذنہا سکوتہا (مسلم)

ایک دفعہ کی بیاہی عورت اپنے ولی سے زیادہ اپنے اوپر حق رکھتی ہے اور کنواری سے اسکی اجازت لیجائے، اور اسکی اجازت اوسکی خاموشی ہے

یہی روایت ان الفاظ میں بھی ہے،

الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر یستاذنہا ابوھا من نفسہا واذنہا صماتہا (مسلم ونسائی)

ایک دفعہ کی بیاہی عورت اپنے ولی سے زیادہ اپنی نسبت حق رکھتی ہے، اور کنواری عورت سے اس کا باپ، اوسکی ذات کی نسبت اجازت لے، اور اسکی اجازت اوسکی خاموشی ہے

اس روایت مین ایک خاص لفظ ابوھا کا ہے، کہ باپ کو بھی لڑکی سے اذن لینا ضرور ہے، اس سے امام شافعی کی اس رائے کی کہ باپ کو اپنی کنواری لڑکی پر استبدادی حق حاصل ہے، اور اس سے پوچھنا ضروری نہین ہے قطعاً تردید ہو جاتی ہے، شوافع کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ چونکہ دوسری روایتون مین یہ لفظ نہین آیا ہے، اسلئے یہ زیادتی محفوظ نہین، لیکن یہ جواب اسلئے صحیح نہین کہ ثقہ کی زیادت مسلّم ہے،

ابوداؤد مین یہی روایت ان الفاظ مین ہے،

لا تنکح الثیب حتی تستامر ولا البکر الا باذنها، قالوا وما اذنها، قال ان تسکت

ایکدفعہ کی بیاہی عورت کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اوسکی اجازت نہ حاصل ہو جائے، اور کنواری کا نکاح نہ کیا جائے لیکن اسکی اجازت سے، لوگون نے کہا اسکی اجازت کیا ہے؟

یہ الفاظ لڑکی کے حق کو پوری وضاحت سے ظاہر کر رہے ہین، جسمین کسی تاویل کی گنجائش نہین، ایک اور طریقہ مین حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ان الفاظ مین ہے،

لا تنکح الثیب حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن واذنها الصموت، (ترمذی ونسائی)

ایک دفعہ کی بیاہی عورت کا نکاح نہ کیا جائے یہان تک کہ اس کا امر نہ لیا جائے، اور نہ کنواری کا نکاح کیا جائے یہان تک کہ اسکی اجازت نے لیجائے، اور اسکی اجازت اسکی خاموشی ہے

حضرت ابن عباسؓ کی روایت بھی اسی طرح مختلف الفاظ مین حدیث کی مختلف کتابون مین ہے، وہ کہتے ہین کہ آپ نے فرمایا،

الایم احق بنفسها من ولیها والبکر تستاذن فی نفسها واذنها صماتها، (ترمذی ونسائی وغیرہ)

بے شوہر کی عورت اپنے بارے مین اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے، اور کنواری عورت کی اجازت اسکی خاموشی ہے،

حضرت عثمان بن مظعونؓ کی صاحبزادی جو اپنے چچا کے کئے ہوئے نکاح سے ناخوش تھین، ان کے معاملہ مین آپنے فرمایا،

لا تنکحوا النساء حتی تستامروهن فاذا سکتن فهو اذنهن (مستدرک حاکم بشرط بخاری ومسلم)

عورتون کا نکاح نہ کرو جب تک ان سے دریافت نہ کر لو، جب وہ چپ رہین تو یہی ان کی اجازت ہے،

اس روایت مین "مطلق عورت" کا لفظ ہے، جسمین کنواری اور بیاہی کی تفریق نہین، اور دونون سے اجازت لے لینے کا یکسان حکم ہے، ممکن ہے کہ اس حدیث مین قرینہ اور طریق اجازت سے یہ اشارہ نکالا جائے کہ یہ کنواریون کی نسبت ارشاد ہوا ہے، مگر حضرت عائشہؓ کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہین، جو ہر تاویل اور بحث سے بالاتر ہین، آپنے فرمایا،

استامروا النساء فی ابضاعهن قیل فان البکر تستحیی فتسکت فقال هو اذنها (سنن نسائی)

عورتون کے جسم کی نسبت ان سے اجازت لیلو، عرض کیا گیا کہ کنواری لڑکی تو شرم کرتی ہے اور چپ رہتی ہے، فرمایا یہی اسکی اجازت ہے،

اس حدیث مین دیکھو بالکل وہی الفاظ ہین، جنکا امام شافعی ہم سے مطالبہ کرتے تھے، اس مین کنواری اور ایک دفعہ کی بیاہی دونون کو ایک ہی لفظ سے ادا کرکے، ان سے استمزاج لینے کا یکسان اور برابر کا حکم دیا گیا ہے، صرف ان دونون کی اجازت کی نوعیت مین فرق کیا گیا ہے، اجازت کی نوعیت کا یہ فرق حضرت عدیؓ والی روایت سے جو سنن ابن ماجہ مین ہے، بالکل واضح ہو جاتا ہے، وہ روایت کرتے ہین کہ آپنے فرمایا،

الثیب تعرب عن نفسها والبکر رضاها صمتها (ابن ماجہ)

ایک دفعہ کی بیاہی عورت (یعنی بیوہ اور مطلقہ) خود اپنا اظہار مطلب کرے، اور کنواری لڑکی کی رضامندی کا اظہار اسکی خاموشی سے ہوگا،

اس سے ظاہر ہوا کہ کنواری اور بیوہ ومطلقہ (یعنی جسکا پہلے ایک دفعہ بیاہ ہو چکا ہو) ان دونون کی خودمختاری کے حق مین کوئی فرق نہین ہے، بلکہ صرف رضامندی کے اظہار کی نوعیت مین فرق ہے؟

باقی

مولٰنا حالیؒ

کی

خود نوشت سوانحعمری

ہمارے پچھلے نامور مصنفین میں مولانا حالی کا جو درجہ ہے وہ مخفی نہین، وہ حیات جاوید کے مصنف ہو کر خود حیاتِ جاوید پاچکے ہین، انکی سخنوری، سخن فہمی، نکتہ رسی، اور متانتِ تحریر اپنا جواب نہین رکھتی، ایسی ہستی اگر کسی دوسری قوم کو حاصل ہوتی، تو اسکی مستقل سوانحعمریون اور اس کے کارنامون کے تبصرون کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہوتا، مگر ہماری غفلت کی انتہا ہے کہ چند صفحون کے سوا انکے سوانحِ حیات کا کوئی ورق بھی نہین ملتا، ایسی حالت مین معارف کسقدر خوش قسمت ہے کہ اسکو مولانا حالی کی خود نوشت سوانحعمری کا مسودہ ہاتھ آگیا ہے،

یہ چند صفحون کی تحریر ہے جس مین مولانانے اپنے کل حالات قلمبند کئے ہین اور اسکو نواب عماد الملک بلگرامی مرحوم کی خدمت مین بھیجا تھا بلکہ عجب نہین کہ نواب صاحب مرحوم کی فرمائش ہی سے اسکو لکھا ہو، نواب صاحب کی وفات کے بعد ان کے کاغذات مین یہ مسودہ ملا، اور آج وہ معارف کے صفحات کی زینت بن رہا ہے،

ہم نے چاہا تھا کہ اس کا چربہ اور عکس اتار کر چھاپین، مگر گو اس پر مصنفانہ کاٹ چھانٹ اور حک و اصلاح موجود ہے، تاہم یہ یقین نہین ہے کہ وہ خود مولانا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر اور خط بھی ہو اسلئے اس خیال کو چھوڑ دیا،

اصل تحریر بعینہ حسب ذیل ہے،

"معارف"

ترجمہ

الطاف حسین حالی انصاری پانی پتی

میری ولادت تقریباً ۱۲۵۳ھ ہجری مطابق ۱۸۳۷ء عیسوی مین بمقام قصبہ پانی پت، جو شاہجہان آباد سے جانب شمال ۵۳ میل کے فاصلہ پر ایک قدیم بستی ہے، واقع ہوئی، اس قصبہ مین کچھ کم سات سو برس سے قوم انصار کی ایک شاخ جس سے راقم کو تعلق ہے آباد چلی آتی ہے، ساتوین صدی ہجری اور تیرہوین صدی عیسوی مین جبکہ غیاث الدین بلبن تختِ دہلی پر متمکن تھا شیخ الاسلام خواجہ عبد اللہ انصاری معروف بہ پیرِ ہرات کی اولاد مین سے ایک بزرگ خواجہ ملک علی نام، جو علوم متعارفہ مین اپنے معاصرین مین امتیاز رکھتے تھے، ہرات سے ہندوستان مین وارد ہوئے تھے، جنکا سلسلۂ نسب ۲۶ واسطہ سے حضرت ابوایوب انصاریؓ تک اور ۱۸ واسطہ سے شیخ الاسلام تک اور دس واسطہ سے ملک محمود شاہ تک جو ملقب بہ آق خواجہ تک، جو غزنوی دور مین فارس و کرمان و عراق عجم کا فرمانروا تھا، پہنچتا ہے، چونکہ غیاث الدین بلبن اس بات مین نہایت مشہور تھا کہ وہ قدیم اشراف خاندانون کی بہت عزت کرتا ہے اور اس کا بیٹا سلطان محمد علما و شعرا و دیگر اہلِ کمال کا حد سے زیادہ قدردان تھا اسلیے اکثر اہل علم اور عالی خاندان لوگ ایران و ترکستان سے ہندوستان کا قصد کرتے تھے، اسی شہرت نے خواجہ ملک علی کو سفرِ ہندوستان پر آمادہ کیا تھا، چنانچہ سلطان غیاث الدین نے چند عمدہ اور سیر حاصل دیہات پرگنہ پانی پت مین اور معتد بہ اراضی سوادِ قصبہ پانی پت مین بطور مدد معاش کے اور بہت سی زمین اندرون آبادی قصبہ پانی پت واسطے سکونت کے ان کو عنایت کی اور منصبِ قضا و صدارت و تشخیصِ نرخ بازار اور تولیتِ مزارات ائمہ جو سوادِ پانی پت مین واقع ہین، اور خطابتِ عیدین ان سے متعلق کردی، پانی پت مین جو اب تک ایک محلہ انصاریون کا مشہور ہے وہ انھین بزرگ کی اولاد سے منسوب ہے مین باپ کی طرف سے اسی شاخِ انصار سے علاقہ رکھتا ہون اور میری والدہ سادات کے ایک معزز گھرانے کی جو یہان ساداتِ شہداپور کے نام سے مشہور ہین، بیٹی تھین،

مولٰنا حالیؒ
کی
خود نوشت سوانحعمری

ہمارے پچھلے نامور مصنفین مین مولانا حالی کا جو درجہ ہے وہ مخفی نہین، وہ حیات جاوید کے مصنف ہو کر خود حیات جاوید پا چکے ہین، نکتہ سنجی، سخن فہمی، نکتہ رسی، اور متانت تحریر اپنا جواب نہین رکھتی، ایسی ہستی اگر کسی دوسری قوم کو حاصل ہوتی، تو اسکی مستقل سوانحعمریون اور اس کے کارنامون کے تبصرون کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہوتا، مگر ہماری غفلت کی انتہا ہے کہ چند صفحون کے سوا انکے سوانح حیات کا کوئی ورق بھی نہین ملتا، ایسی حالت مین معارف کسقدر خوش قسمت ہے کہ اسکو مولانا حالی کی خود نوشت سوانحعمری کا مسودہ ہاتھ آگیا ہے،

یہ چند صفحون کی تحریر ہے جس مین مولانانے اپنے کل حالات قلمبند کئے ہین اور اسکو نواب عماد الملک بلگرامی مرحوم کی خدمت مین بھیجا تھا، بلکہ عجب نہین کہ نواب صاحب مرحوم کی فرمائش ہی سے اسکو لکھا ہو، نواب صاحب کی وفات کے بعد ان کے کاغذات مین یہ مسودہ ملا، اور آج وہ معارف کے صفحات کی زینت بن رہا ہے،

ہم نے چاہا تھا کہ اس کا چربہ اور عکس اتار کر چھاپین، مگر گو اس پر مصنفانہ کاٹ چھانٹ اور حک و اصلاح موجود ہے، تاہم یہ یقین نہین ہے کہ وہ خود مولانا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر اور خط بھی ہو، اسلئے اس خیال کو چھوڑ دیا،

اصل تحریر بعینہٖ حسب ذیل ہے،

"معارف"

ترجمہ
الطاف حسین حالی انصاری پانی پتی

میری ولادت تقریباً ۱۲۵۳ھ ہجری مطابق ۱۸۳۷ء عیسوی مین بمقام قصبہ پانی پت، جو شاہجہان آباد سے جانب شمال ۵۳ میل کے فاصلہ پر ایک قدیم بستی ہے، واقع ہوئی، اس قصبہ مین کچھ کم سات سو برس سے قوم انصار کی ایک شاخ جس سے راقم کو تعلق ہے آباد چلی آتی ہے، ساتوین صدی ہجری اور تیرہوین صدی عیسوی مین جبکہ غیاث الدین بلبن تخت دہلی پر متمکن تھا، شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری معروف بہ پیر ہرات کی اولاد مین سے ایک بزرگ خواجہ ملک علی نام، جو علوم متعارفہ مین اپنے معاصرین مین امتیاز رکھتے تھے، ہرات سے ہندوستان مین وارد ہوئے تھے، جنکا سلسلۂ نسب ۲۶ واسطہ سے حضرت ابو ایوب انصاریؓ تک اور ۱۸ واسطہ سے شیخ الاسلام تک اور دس واسطہ سے ملک محمود شاہ انجو ملقب بہ آق خواجہ تک، جو غزنوی دور مین فارس و کرمان و عراق عجم کا فرمانروا تھا، پہنچتا ہے، چونکہ غیاث الدین بلبن اس بات مین نہایت مشہور تھا کہ وہ قدیم اشراف خاندانون کی بہت عزت کرتا ہے اور اس کا بیٹا سلطان محمد علما و شعراء و دیگر اہل کمال کا حد سے زیادہ قدردان تھا، اسلئے اکثر اہل علم اور عالی خاندان لوگ ایران و ترکستان سے ہندوستان کا قصد کرتے تھے، اسی شہرت نے خواجہ ملک علی کو سفر ہندوستان پر آمادہ کیا تھا، چنانچہ سلطان غیاث الدین نے چند عمدہ اور سیر حاصل دیہات پرگنہ پانی پت مین اور معتدبہ اراضی سواد قصبہ پانی پت مین بطور مدد معاش کے اور بہت سی زمین اندرون آبادی قصبہ پانی پت واسطے سکونت کے ان کو عنایت کی اور منصب قضا و صدارت و تشخیص نرخ بازار اور تولیت مزارات ائمہ جو سواد پانی پت مین واقع ہین، اور خطابت عیدین ان سے متعلق کردی، پانی پت مین جو اب تک ایک محلہ انصاریون کا مشہور ہے وہ انھین بزرگ کی اولاد سے منسوب ہے، مین باپ کی طرف سے اسی شاخ انصار سے علاقہ رکھتا ہون اور میری والدہ سادات کے ایک معزز گھرانے کی جو یہان سادات شہداپور کے نام سے مشہور ہین، بیٹی تھین،

اگرچہ خواجہ ملک علی کی اولاد مین سے بہت سے لوگون نے اول سلطنت مغلیہ کے عہد مین اور پھر شاہان اودھ کی سرکار مین نہایت درجہ کا امتیاز حاصل کیا تھا، مگر زیادہ تر یہ لوگ اسی ملک و مدد معاش پر قانع رہے جو سلاطین اسلام کی طرف سے وقتاً فوقتاً ان کو عطا ہوتی رہی، میرے آبا و اجداد نے جہان تک کہ ان کا حال معلوم ہے، ظاہرا کوئی خدمت دلی یا لکھنو مین اختیار نہین کی، سب سے پہلے میرے باپ نے سرکار انگریزی کی نوکری سر رشتہ پرمٹ مین اختیار کی تھی میری ولادت کے بعد میری والدہ کا دماغ مختل ہوگیا تھا اور میرے والد نے چالیس برس کی عمر مین جب کہ مین نو برس کا تھا، انتقال کیا، اسلیے مین نے ہوش سنبھالکر اپنا سرپرست بھائی بہنون کے سوا کسی کو نہین پایا، انھون نے اول مجھکو قرآن حفظ کرایا، اس کے بعد اگرچہ تعلیم کا شوق قدرتی طور پر میرے دل مین حد سے زیادہ تھا، مگر باقاعدہ اور مسلسل تعلیم کا کبھی موقع نہین ملا، ایک بزرگ سید جعفر علی مرحوم، جو میر ممنون دہلی کے بھتیجے اور داماد بھی تھے، اور بوجہ تعلق زناشوئی کے پانی پت مین مقیم تھے، اور فارسی لٹریچر، تاریخ اور طب مین ید طولیٰ رکھتے تھے، ان سے دو چار فارسی کی ابتدائی کتابین پڑھین، اور انکی صحبت مین فارسی لٹریچر کے ساتھ ایک نوع کی مناسبت پیدا ہوگئی، پھر عربی کا شوق ہوگیا، انھین دنون مولوی حاجی ابراہیم حسین انصاری مرحوم لکھنو سے اجتہاد کی سند لیکر آئے تھے، ان سے صرف و نحو پڑھنی مگر چند روز بعد بھائی اور بہن نے جنکو مین بمنزلہ والدین کے سمجھتا تھا تاہل پر مجبور کیا، اس وقت میری عمر سترہ برس کی تھی اور زیادہ تر بھائی کی نوکری پر سارے گھر کا گذارہ تھا کہ یہ جوا میرے کندھے پر رکھا گیا، اب بظاہر تعلیم کے دروازے چارون طرف سے مسدود ہوگئے، سب کی یہ خواہش تھی کہ مین نوکری تلاش کرون، مگر تعلیم کا شوق غالب تھا اور بیوی کا میکا آسودہ حال تھا، مین گھر والون سے روپوش ہوکر دلی چلا گیا اور قریب ڈیڑھ برس کے وہان رہ کر کچھ صرف و نحو اور کچھ ابتدائی کتابین منطق کی مولوی نوازش علی مرحوم سے، جو وہان ایک مشہور واعظ اور مدرس تھے، پڑھین، اگرچہ اس وقت قدیم دہلی کالج خوب رونق پر تھا مگر جس سوسائٹی مین مین نے نشو و نما پائی تھی وہان علم صرف عربی اور فارسی زبان مین منحصر سمجھا جاتا تھا، انگریزی تعلیم کا خاصکر قصبہ پانی پت مین اول تو کہین ذکر ہی سننے مین نہین آتا تھا، اور اگر اسکی نسبت لوگون کا کچھ

خیال تھا تو صرف اس قدر کہ سرکاری نوکری کا ایک ذریعہ ہے، نہ یہ کہ اس سے کوئی علم حاصل ہوتا ہے، بلکہ برخلاف اس کے انگریزی مدرسون کو ہمارے علما مجلے کہتے تھے، دلی پہنچکر جس مدرسہ مین مجھکو شب و روز رہنا پڑا وہان سب استاد اور طلبہ کالج کے تعلیم یافتہ لوگون کو محض جاہل سمجھتے تھے غرض کبھی بھولکر بھی انگریزی تعلیم کا خیال دل مین نہ گذرتا تھا ڈیڑھ برس دلی مین رہنا ہوا اس عرصہ مین کبھی کالج کو جاکر آنکھ سے دیکھا تک نہین اور نہ ان لوگون سے کبھی ملنے کا اتفاق ہوا، جو اس وقت کالج مین تعلیم پاتے تھے جیسے مولوی ذکاء اللہ، مولوی نذیر احمد، مولوی محمد حسین آزاد اور مولوی ضیاء الدین وغیرہ وغیرہ،

مین نے دلی مین شرح سلم ملا حسن اور میبذی پڑھنی شروع کی تھی کہ سب عزیزون اور بزرگون کے جبر سے ناچار مجھکو دلی چھوڑنا اور پانی پت واپس آنا پڑا، یہ ذکر ۱۸۵۵ء کا ہے، دلی سے آکر برس ڈیڑھ برس تک پانی پت سے کہین نہین گیا، اور بطور خود اکثر بے پڑھی کتابون کا مطالعہ کرتا رہا، ۱۸۵۶ء مین مجھ ضلع حصار مین ایک قلیل تنخواہ کی اسامی صاحب کلکٹر کے دفتر مین ملگئی، لیکن ۱۸۵۷ء مین جبکہ سپاہ باغی کا فتنہ ہندوستان مین برپا ہوا، اور حصار مین بھی بعض سخت واقعات ظہور مین آئے اور سرکاری عملداری اٹھ گئی تو مین وہان سے پانی پت چلا آیا اور قریب چار برس کے پانی پت مین بیکاری کی حالت مین گذرے، اس عرصہ مین پانی پت کے مشہور فضلا مولوی عبد الرحمن، مولوی محب اللہ اور مولوی قلندر علی مرحوم ان سے بغیر کسی ترتیب اور نظام کے کبھی منطق یا فلسفہ، کبھی حدیث، کبھی تفسیر پڑھتا رہا، اور جب ان صاحبون مین سے کوئی پانی پت مین نہ ہوتا تھا تو خود بغیر پڑھی کتابون کا مطالعہ کرتا تھا اور خاصکر علم ادب کی کتابین شروح اور لغات کی مدد سے اکثر دیکھتا تھا، اور کبھی کبھی عربی نظم و نثر بھی بغیر کسی کے اصلاح اور مشورہ کے لکھتا تھا مگر اس پر طبیعت کو اطمینان نہ ہوتا تھا، میری عربی اور فارسی تحصیل کا منتہا صرف اسی قدر ہے جسقدر کہ اوپر ذکر کیا گیا،

جس زمانہ مین میرا دلی جانا ہوا تھا مرزا اسد اللہ خان غالب مرحوم کی خدمت مین اکثر جانے کا اتفاق ہوتا تھا اور اکثر ان کے اردو اور فارسی دیوان کے اشعار جو سمجھ مین نہ آتے تھے ان کے معنی ان سے پوچھا کرتا تھا

اور چند فارسی قصیدے انھون نے اپنے دیوان مین سے مجھے پڑھائے بھی تھے، انکی عادت تھی کہ وہ اپنے ملنے والون کو اکثر فکرِ شعر کرنے سے منع کیا کرتے تھے مگر مین نے جو ایک آدھ اردو یا فارسی کی غزل لکھکر انکو دکھائی تو انھون نے مجھ سے یہ کہا کہ اگرچہ مین کسی کو فکرِ شعر کی صلاح نہین دیا کرتا لیکن تمھاری نسبت میرا یہ خیال ہے کہ اگر تم شعر نہ کہو گے تو اپنی طبیعت پر سخت ظلم کروگے، مگر اس زمانہ مین ایک دو غزل سے زیادہ دلی مین شعر لکھنے کا اتفاق نہین ہوا،

غدر کے بعد جب کئی برس پانی پت مین بیکاری کی حالت مین گذر گئے تو فکرِ معاش نے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا، حسنِ اتفاق سے نواب مصطفےٰ خان مرحوم رئیس دہلی و تعلقہ دار جہانگیر آباد ضلع بلند شہر جو فارسی مین حسرتی اور اردو مین شیفتہ تخلص کرتے تھے اور شاعری کا اعلیٰ درجہ کا مذاق رکھتے تھے ان سے شناسائی ہوگئی اور آٹھ سات برس تک بطور مصاحبت کے ان کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا، نواب صاحب جس درجہ کے فارسی اور اردو زبان کے شاعر تھے اسکی بہ نسبت ان کا مذاقِ شاعری بمراتب بلند تر اور اعلیٰ تر واقع ہوا تھا، انھون نے ابتدا مین اپنا فارسی اور اردو کلام مومن خان کو دکھایا تھا مگر ان کے مرنے کے بعد وہ مرزا غالب سے مشورۂ سخن کرنے لگے تھے، میرے وہان جانے سے انکا پرانا شعر و سخن کا شوق، جو مدت سے افسردہ ہو رہا تھا، تازہ ہوگیا، اور انکی صحبت مین میرا طبعی میلان بھی جو اب تک مکروہات کے سبب اچھی طرح ظاہر نہ ہونے پایا تھا چمک اٹھا، اسی زمانہ مین اردو اور فارسی کی اکثر غزلین نواب مرحوم کے ساتھ لکھنے کا اتفاق ہوا، انھین کے ساتھ مین بھی جہانگیر آباد سے اپنا کلام مرزا غالب کے پاس بھیجتا تھا، مگر میرزا کے مشورہ و اصلاح سے مجھے چندان فائدہ نہ ہوا، بلکہ جو کچھ فائدہ ہوا وہ نواب صاحب مرحوم کی صحبت سے ہوا، وہ مبالغہ کو ناپسند کرتے تھے، اور حقائق و واقعات کے بیان مین لطف پیدا کرنا اور سیدھی سادی اور سچی باتون کو محض حسنِ بیان سے دلفریب بنانا اسی کو منتہائے کمال شاعری سمجھتے تھے، چھچھورے اور بازاری الفاظ و محاورات اور عامیانہ خیالات سے شیفتہ اور غالب دونون متنفر تھے، نواب شیفتہ کے مذاق کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ ایک روز میر انیس کا ذکر ہو رہا تھا انھون نے انیس کے مرثیہ کا یہ پہلا مصرع پڑھا "آج شبیر پہ کیا عالمِ تنہائی ہے" اور کہا کہ انیس نے ناحق مرثیہ لکھا،

یہی ایک مصرع بجائے خود ایک مرثیہ کے برابر تھا، ان کے خیالات کا اثر مجھ پر بھی پڑنے لگا اور ایک خاص قسم کا مذاق رفتہ رفتہ پیدا ہوگیا،

نواب شیفتہ کی وفات کے بعد مجھکو پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو مین ایک اسامی ملگئی جسمین مجھکو یہ کام کرنا پڑتا تھا کہ جو ترجمے انگریزی سے اردو مین ہوتے تھے انکی اردو عبارت درست کرنے کو مجھے ملتی تھی، تقریباً چار برس مین نے یہ کام لاہور مین رہ کر کیا، اس سے انگریزی لٹریچر کے ساتھ فی الجملہ مناسبت پیدا ہوگئی اور نامعلوم طور پر آہستہ آہستہ مشرقی لٹریچر اور خاصکر عام فارسی لٹریچر کی وقعت دل سے کم ہونے لگی، لاہور ہی مین کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن پنجاب کے ایما سے مولوی محمد حسین آزاد نے اپنے پرانے ارادہ کو پورا کیا یعنی مئی ۱۸۷۴ء مین ایک ایسے مشاعرہ کی بنیاد ڈالی جو ہندوستان مین اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل نیا تھا اور جسمین بجائے مصرع طرح کے کسی مضمون کا عنوان شاعرون کو دیا جاتا تھا کہ اس مضمون پر اپنے خیالات جسطرح چاہین نظم مین ظاہر کرین، مین نے بھی اسی زمانہ مین چار مثنویان، ایک برسات پر، دوسری امید پر، تیسری رحم و انصاف پر اور چوتھی حبِ وطن پر لکھین،

اس کے بعد مین لاہور سے دلی مین اینگلو عربک اسکول کی مدرسی پر بدل آیا، یہان آکر مین نے اول ایک آدھ نظم بطور خود اسی طرز کی جسکی تحریک لاہور مین ہوئی تھی، لکھی، پھر سید احمد خان مرحوم نے ترغیب دلائی کہ مسلمانون کی موجودہ پستی اور تنزل کا حال اگر نظم مین بیان کیا جائے تو مفید ہوگا، چنانچہ مین نے اول مسدس مد و جزر اسلام اور اس کے بعد اور نظمین جو چھپ چھپکر بار بار شائع ہو چکی ہین لکھین،

نظم کے سوا نثر اردو مین بھی مین نے چند کتابین لکھی ہین، سب سے پہلے غالباً ۱۸۶۷ء مین ایک کتاب تریاقِ مسموم ایک نیٹو مشنری کی کتاب کے جواب مین جو میرا ہموطن تھا، اور مسلمان سے عیسائی ہوا تھا، لکھی تھی، جسکو اسی زمانہ مین لوگون نے مذہبی میگزینون مین چھاپکر شائع کردیا تھا، اس کے بعد لاہور مین ایک عربی کتاب کا جو جیولوجی مین تھی اور فرنچ سے عربی مین کسی مصری فاضل نے ترجمہ کی تھی، اردو مین ترجمہ کیا اور اس کا کاپی رائٹ بغیر کسی معاوضہ کے پنجاب یونیورسٹی کو دے دیا، چنانچہ ڈاکٹر لائٹنر کے زمانہ مین اسکو یونیورسٹی نے چھاپ کر

شائع کر دیا تھا، مگر اول تو وہ اصلی کتاب پچاس ساٹھ برس کی لکھی ہوئی تھی، جبکہ جیولوجی کا علم ابتدائی حالت مین تھا،
دوسرے مجھکو اس فن سے محض اجنبیت تھی اسلیے اصل اور ترجمہ دونون غلطیون سے خالی نہ تھے، لاہور ہی مین
ایک کتاب عورتون کی تعلیم کے لیے قصہ کے پیرایہ مین موسوم بہ مجالس النسار لکھی تھی، جس پر کرنل ہالرائڈ نے ایک
ایجوکیشنل دربار مین مجھے لارڈ ناتھ بروک کے ہاتھ سے چار سو روپیہ کا انعام دلوایا تھا اور جو اودھ اور پنجاب
کے مدارسِ نسوان مین مدت تک جاری رہی اور شاید اب بھی کہین کہین جاری ہو،

پھر دلی مین سعدی شیرازی کی لائف اور انکی نظم و نثر پر ریویو لکھکر شائع کیا جسکا نام حیاتِ سعدی ہے،
اور جس کے دس بارہ اڈیشن اب سے پہلے شائع ہو چکے ہین، پھر شاعری پر ایک مبسوط اسّے لکھکر بطور مقدمہ کے اپنے
دیوان کے ساتھ شائع کیا، اس کے بعد میرزا غالب مرحوم کی لائف جسمین انکی فارسی اور اردو نظم و نثر کا انتخاب
بھی شامل ہے اور انکی شاعری پر ریویو بھی کیا گیا ہے، یادگارِ غالب کے نام سے لکھکر شائع کی اور اب سر سید
احمد خان مرحوم کی لائف موسوم بہ حیاتِ جاوید جو تقریباً ہزار صفحہ کی کتاب ہے لکھی جو امید ہے کہ مارچ یا اپریل
مین شائع ہو جائے گی، اس کے سوا اور بھی بعض کتابین فارسی گریمر وغیرہ مین لکھی ہین جو چندان ذکر کے قابل
نہین ہین، اس کے علاوہ تیس بتیس مضمون بھی مختلف عنوانون پر مین نے اوقات مختلف مین لکھے ہین جو
تہذیب الاخلاق، علی گڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ اور دیگر اخبارون یا میگزینون مین شائع ہو رہے ہین،

نیز اردو کے علاوہ فارسی مین کسی قدر زیادہ اور عربی مین کم میری نظم و نثر موجود ہے، جو ابتک شائع
نہین ہوئی، جب سے ان دونون زبانون کا رواج ہندوستان مین کم ہونے لگا ہے، اس وقت سے انکی طرف
توجہ نہین رہی، میری سب سے اخیر فارسی نظم وہ ترکیب بند ہے جو سر سید کی وفات پر مین نے لکھا تھا اور اردو مین
سب سے اخیر وہ نظم ہے جو حال ہی مین حضور ملکہ معظمہ ایمپرس وکٹوریا کی وفات پر لکھی ہے اور جو علی گڈہ انسٹیٹیوٹ
گزٹ مین شائع ہوئی ہے،

سنہ [illegible] ہجری مین جبکہ مین اینگلو عربک اسکول دہلی مین مدرس تھا نواب سر آسمان جاہ بہادر مرحوم

مدار المہام سرکار عالی نظام اثنائے سفر شملہ مین علی گڈہ محمڈن کالج کے ملاحظہ کے لیے سر سید احمد خان مرحوم کے
مکان پر فروکش ہوئے تھے، اور مین بھی اس وقت علی گڈہ گیا ہوا تھا، نواب صاحب ممدوح نے بصیغۂ امداد مصنفین
ایک وظیفہ تعدادی ۷۵ ماہوار کا میرے لیے مقرر فرمایا اور ۱۸۹۱ء مین جب کہ مین سر سید مرحوم کے ہمراہ
بشمول دیگر ممبرانِ ڈپوٹیشن ٹرسٹیان محمڈن کالج علی گڈہ حیدرآباد گیا تھا اس وظیفہ مین پچیس روپیہ ماہوار
کا اضافہ کر کے سو روپیہ سکۂ حالی کا وظیفہ میرے لیے مقرر کر دیا، جو اب تک مجھکو ماہ بماہ سرکار عالی سے ملتا
ہے اور اسی وقت سے مین نے اینگلو عربک اسکول کا تعلق قطع کر دیا ہے،

خطباتِ مدراس

یعنی

آنحضرت صلعم کی سیرت و اخلاق اور اسلام کے اصولی عقائد اور انکا دیگر ادیان سے موازنہ اور مقابلہ

مولانا سید سلیمان ندوی کے ان خطبات کے مجموعہ نے بحمد اللہ علما، تعلیم یافتہ اصحاب اور عام مسلمانون مین بیحد مقبولیت حاصل
کی ہے اور وہ بیحد مفید اور موثر ثابت ہوئے ہین، مولانا نے ان آٹھ خطبون مین آنحضرت صلعم کی سیرت و اخلاق و اسلام کے اصولی عقائد [illegible]
کا خلاصہ اس طرح پیش کیا ہے کہ ہزارون صفحات کے مضامین سو اسو صفحون مین آگئے ہین، مضامین کی فہرست یہ ہے:- پہلا
خطبہ دنیا کے تمام مشاہیر و اکابر اور ہیروز مین سے صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتین انسان کی ہدایت کا ذریعہ ہین، دوسرا تمام انبیا مین صرف
محمد رسول اللہ صلعم ہی کی سیرت جامع، کامل، تاریخی اور عملی ہے، اور اسلیے وہی سیرت تمام دنیا کے لیے اور قیامت تک کے لیے عالمگیر اور دائمی نمونۂ حیات بن سکتی ہے،
تیسرا تمام انبیا مین آپ ہی کی زندگی تمام احوال انسانی کو جامع ہے، چوتھا تمام انبیا مین آپ ہی کی زندگی ہر صنف انسانی کیلئے نمونہ ہو سکتی ہے،
پانچوان تمام انبیا مین آپ ہی کی زندگی تاریخی حیثیت رکھتی ہے، چھٹا تمام انبیا مین آپ ہی کی زندگی عملی حیثیت رکھتی ہے، ساتوان
اسلام کے اصولی تعلیمات، آٹھوان ایمان اور عمل صالح، لکھائی چھپائی اعلیٰ، قیمت عہ

منیجر

صوبۂ گجرات کا پہلا گورنر

(۲)

از مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی پروفیسر عربی و فارسی مہادیالے کالج احمد آباد

اب یہ کہنا چاہتا ہون کہ الغ خان نے بے شک گجرات فتح کیا، لیکن الماس بیگ الغ خان کبھی اور کسی وقت اپنی تمام عمر مین گجرات کا گورنر نہین ہوا، کیونکہ فتح گجرات کے بعد وہ کچھ زیادہ عرصہ تک زندہ نہین رہا، وہ رنتھنبور کی فتح کے بعد ہی چند روز مین دہلی جاتے ہوئے فوت ہوا، اور اس سبب سے اسکو کسی جگہ کی گورنری کا موقعہ ہی نہین ملا، البتہ جالورا در جھابن مین جو اس کے جاگیر مین تھے کچھ دنون مقیم رہا،

چنانچہ بدایونی لکھتا ہے:۔

وسلطان قلعہ رنتھنبور را با ولائت در جاگیر او مقرر نمودہ باز گشت و او در ہمان روز در راہ بیمار شد و رخت ازین جہان برد، و رنتھنبور نسبت باو حکم بہشت شداد پیدا کردہ بود[1]،

اور سلطان نے قلعہ رنتھنبور کو مع اس کے صوبہ کے اسکی (الغ خان کی) جاگیر مین مقرر کرکے واپس ہوا اور وہ (الغ خان) اسی روز راہ مین بیمار ہوا اور اس دنیا سے چل بسا، اور رنتھنبور اس کے لیے ایسا ثابت ہوا جیسے شداد کے لیے اسکی جنت،

فرشتہ رنتھنبور کی فتح کے سلسلہ مین الغ خان کی نسبت لکھتا ہے،

"پھر بطور سیر کے بادشاہ ادہر گیا، وہان کے نقد و جواہرات جو شمار سے باہر تھے، مع قلعہ و ولایت کے الماس بیگ کو عطا فرما کر دہلی کی طرف روانہ ہوا، الماس بیگ پانچ چھ ماہ کے بعد سخت بیمار ہوکر دہلی روانہ ہوا، لیکن راہ مین مرگیا"[2]

ضیاء الدین برنی اپنی تاریخ فیروز شاہی مین گویا اپنی آنکھون کی دیکھی اس طرح لکھتا ہے،

[1] تاریخ بدایونی ج ۱ ص ۱۹۱، [2] تاریخ فرشتہ ج ۱ بیان علاء الدین،

و الغ خان چہار و پنج ماہ و رغیبت سلطان حشم بسیار گرفت دخواست کہ عزم تلنگ و معبر مصمم گرداند، و تا اجل گرفت داد، ابوقت اورا در شہر مبارک دریافت، و مردہ اورا در شہر آوردند، و ہم در خانہ او دفن کردند و مصیبت او سلطان را اندوہگین کرد، و بروح او صدقات بسیار داد[1]

اور الغ خان نے سلطان کی غیر حاضری مین چار پانچ ماہ کے اندر بڑی شان پیدا کرلی، اور اس کا قطعی ارادہ تھا کہ تلنگ اور معبر (مدراس) جائے کہ موت پیچھے سے آئی اور اس کا علم لوگون کو شہر مبارک (دہلی) لاتے وقت ہوا (یعنی اسکی موت شہر دہلی لاتے وقت راستہ مین ہوئی) اور اسی کے گھر مین اسکو دفن کیا گیا، اور اس مصیبت نے سلطان کو غمگین کیا،

ظفر الوالہ بمظفر و الہ مین ہے،

و توفی الماس بیگ الغ خان بن نصر الخلجی . . . . وھو احد الاربعۃ الذین ھم ملاک امرہ، و مع ذلک کان لبادرتھم تیمنی ان یری ذھبھم فی ظاھر غیرہ[2]،

اور الماس بیگ الغ خان بن نصر الخلجی مرگیا، اور وہ ان چار آدمیون مین سے تھا جس پر اس (علاء الدین) کی سلطنت کا دار و مدار تھا، اور باوجود ان باتون کے اسکی دلی خواہش تھی کہ اسکی موت غیر کے ہاتھون سے ہوجائے،

تاریخ حسام خان مین واضح طور پر یہ لکھا ہے کہ علاء الدین خلجی اپنے چار دن جرنیلون سے جو اس کے قوتِ بازو تھے، اور اس کے فتوحات کو ہمیشہ ترقی دیتے رہے، ہر وقت خوفزدہ رہتا، اس کا ہر لمحہ اس فکر مین گذرتا تھا کہ کس طرح ان کا زور کم کیا جائے، وہ ان کی موت کا برابر خواہان تھا، لیکن دوسرون کے ہاتھ سے تاکہ لوگ یہ نہ کہین کہ اس نے اپنے ہاتھون کو ان وفادارون کے خون سے رنگین کیا، چنانچہ تاریخون سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ امور اس کے حسب منشا پورے ہوگئے، ظفر خان جنگ مغل مین شہید ہوا، اور نصرت خان نے جنگِ رنتھنبور مین ایک پتھر کی ضرب سے اس دار فانی کو الوداع کہا، اور الغ خان کو اسی فتح کے چار پانچ ماہ بعد زہر دیا گیا، اور بہت سخت علیل ہونے پر دہلی روانہ ہوا، مگر راستہ ہی مین مرگیا،

[1] فیروز شاہی برنی صفحہ ۲۸۳ [2] ظفر الوالہ بمظفر والہ ج ۲ صفحہ ۱۰۱

چنانچہ حسام خان اپنی تاریخ مین علاء الدین کا حال فتح قلعۂ ندکور کے متعلق لکھ کر تحریر کرتا ہے،

انہ فی رجوعہ بعد تسخیر رسم الغ خان	بات یہ ہے کہ تھنبور سے لوٹتے وقت الغ خان کو زہر دیا
فاستدعاہ الی نحو اربعۃ او خمسۃ اشہر	گیا، اور مرض نے چار پانچ ماہ تک طول کھینچا، اور وہ
وکان مشتغلا فی ہذہ المدۃ بجمع العسکر	اندنون ارنگل کی تسخیر کے لیے فوج جمع کرنے مین مشغول
لتسخیر ہذا من ارض دکن فمرض واشتد	تھا، وہ سخت بیمار ہوگیا، اور لاتے ہوئے راہ مین مرگیا، اور
بہ فحمل الی دہلی فمات فی طریقہ و	اسکی لاش دہلی جب پہنچی تو وہ خود اسی کے مکان مین دفن
جیئ بہ میتًا الی دہلی ودفن فی منزلہ،	کی گئی،

ان بیانات سے واضح ہوگیا، کہ الغ خان الماس بیگ فاتح گجرات سنہ [illegible] مین دہلی آتے ہوئے فوت ہوگیا، پھر کس طرح ممکن ہے کہ وہ مردہ ہوکر بیس برس تک گجرات پر حکومت کرتا رہے، پس یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی کہ حکومت کرنے والا درحقیقت سنجر المخاطب بہ الپ خان تھا نہ الماس بیگ الغ خان،

اکثر تواریخ پر نگاہ ڈالنے سے غلط فہمی کی اصل وجہ صاف نظر آجاتی ہے کہ غیر محقق مورخون نے الغ خان اور الپ خان مین بوجہ غیر ملکی لفظ ہونے کے فرق نہ کیا، بلکہ غلطی سے تصحیف کرکے الف خان تک بنا دیا، غیر ملکی وغیر اسلامی تاریخون مین زیادہ شائع ہونے کا اصلی سبب یہی ہے، چنانچہ "پنڈت بی بے کدھیر" نے جو جینی مذہب کا تیرتھی ہے اور بہادر شاہ گجراتی کا ہمعصر ہے، اپنی کتاب شترنجی دشت رُن جی) تیرتھو پربندھ مین ہر جگہ الغ خان ہی لکھا ہے[1] بات یہ ہے کہ فاتح الغ خان کی گجرات مین ہر جگہ شہرت ہوگئی تھی، اس کے بعد الپ خان آیا تو الغ خان اور الپ خان مین عام لوگون نے فرق نہ کیا،

دوسری بات یہ ہے کہ میرے خیال مین سب سے پہلے بے احتیاطی اس مسئلہ مین فرشتہ نے کی، فرشتہ نے دونون جگہ الغ خان استعمال کیا، اور فرق کے لیے ناظم یا والی کا اضافہ تو کیا، مگر اصلی نام اس نے کسی جگہ

[1] شت رن جی تیرتھو پربندھ اصل سنسکرت ص ۳۰،

استعمال نہین کیا، اور اسی سے بعد کے مورخون مین غلط فہمی پیدا ہوئی، کیونکہ فرشتہ کے بعد جس قدر تاریخین ہندوستان مین لکھی گئین، بیشتر ان مین سے وہ ہین جو فرشتہ کی روش پر لکھی گئی ہین، خود فرشتہ نے ایسا کیون لکھا؟ میرے خیال مین اس نے ذرا بے پروائی سے کام لیا ہے، کیونکہ تاریخ فرشتہ کو اگر غور سے دیکھا جائے، تو معلوم ہو جائے گا کہ خود فرشتہ نے تو صحیح لکھا ہے، لیکن اسکی اس تھوڑی سی تسہیل نے دوسرون کو غلط فہمی مین مبتلا کر دیا، ایک بات یہ بھی ہے کہ لوگون کو عام طور پر لفظ الغ اور الپ وغیرہ کے معنی نہ معلوم ہونے کے سبب بھی غلط فہمی پیدا ہوئی، اس لیے اس مسئلہ کو صاف کرنے کے واسطے ان الفاظ کی تحقیق درج ذیل کرتا ہون "الغ" بضمہ اول وثانی وغین معجمہ بزبان ترکی بمعنی "بزرگ" ہے، چنانچہ توحید باری مین شاعر طباطبی کہتا ہے،

کافر و ترسا یہود و گبر و مغ[1] ،	جملہ را رو، سوئے آن سلطان الغ
کافر، ترسا، یہود، گبر، مغ ،	سب کی نظر اسی بڑے بادشاہ (خدا) کی طرف ہے

اور "الپ" بہ فتح اول وثانی بابائے فارسی بمعنی "بہادر" یہ بھی ترکی لفظ ہے اور اسی سے الپ ارسلان اور قزل ارسلان ہے، جس کے معنی "بہادر شیر" اور "سرخ شیر" کے ہین، اسی طرح لفظ "الکت" ہے جس کے معنی چھوٹے کے ہین، اور دوسرا ترکی لفظ "قتلغ" ہے جس کے معنی متوسط اور درمیانہ کے ہین،

ممکن ہے کہ الکت خان، اور قتلغ خان کا خطاب بھی لوگون کو دیا جاتا ہو، مگر الغ خان اور الپ خان کی نسبت تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچکر محقق ہوگئی ہے کہ شاہان اسلام اس کا استعمال بطور خطاب کیا کرتے تھے، خصوصًا جب تک ترکون کا دور رہا، اس کا رواج بہت زیادہ رہا، اور مغلیہ سلطنت مین متروک ہوگیا، چنانچہ ہم تاریخون مین پڑھتے ہین کہ سلطان ناصر الدین محمود کے وقت مین الغ خان کا خطاب غیاث الدین بلبن کا تھا، اور علاء الدین خلجی کے وقت الماس بیگ، الغ خان ہوا، اور اسی طرح سلطان

[1] بہار عجم جلد اول باب الف ولام،

غیاث طغلق (تغلق) کے عہد مین اس کا لڑکا محمد طغلق (تغلق) الغ خان ہوا،

غرض الغ خان اور الپ خان اس عہد کے خطابات ہین جو امرا کو ملا کرتے تھے، اور یہ دونون عہدے آج کل کے امیرالامرا) اور خان بہادر کے ہم معنی ہین، چنانچہ پہلے آپ پڑھ چکے ہین کہ محمد علاء الدین خلجی نے تخت نشین ہو کر سب سے پہلے یہی کام کیا، کہ الماس بیگ کو الغ خان اور سنجر کو الپ خان، اور ملک نصرت کو نصرت خان کا خطاب دے کر عزت افزائی کی کیونکہ یہ وہی اشخاص تھے جنکی جانفشانیون سے اس کو سلطنت کے تخت پر بیٹھنا نصیب ہوا تھا، انھین کی قوت بازو سے ملک سند سنجر و باجگذار بنا، اور انھین کی بہادری سے چنگیزی ترکون مین علاء الدین کی صولت اور ہیبت بیٹھی،

پس جب تک یہ چارون امرا زندہ رہے، سنجر صرف الپ خان رہا، لیکن جب ظفر خان، نصرت خان الغ خان وفات پا گئے اور انکی جگہ خالی ہو گئی تو علاء الدین نے ان عہدون پر دوسرون کو فائز کرنا چاہا، ساتھ ہی وہ اس بات سے بھی ڈرتا تھا کہ امرا کی طاقت پھر کہین زبردست نہ ہو جائے، لیکن ان جنرلون کو ان کے فتوحات اور بہادریون کے صلے دیئے بغیر بھی چارہ نہ تھا، جو دن رات ملک کی حفاظت مین ان سے ظاہر ہوتے رہتے، اور اب پرانے جنرلون مین سے صرف گنتی کے چند لوگ رہ گئے تھے، اور خود اس کے خاندان مین تجربہ کار اور لائق الپ خان ہی تھا، اسی وجہ سے جب ۷۰۴ھ مین ملک غازی (غیاث الدین) طغلق اور عین الملک ملتانی اور الپ خان نے بڑی بہادری سے مغلون کا منہ پھیر دیا، تو اس صلہ مین ملک طغلق کو پنجاب و ملتان کا گورنر بنایا، اور عین الملک کو فتح مالوہ کے بعد مالوہ کا گورنر اور الپ خان چونکہ پہلے ہی سے ایک بڑے صوبہ پر قابض تھا، اس لیے اسکی ہمت افزائی کے واسطے امیرالامرا (یا الغ خان) کا خطاب دیا[1]، اور ایک بڑے لشکر کے ساتھ باغراض تمام گجرات روانہ کر دیا، اور اسی عہدۂ امیرالامرائی پر آخر مین ملک کافور کو بھی سرفراز کیا تھا،

بہرحال بہ شاید اسی لحاظ سے فرشتہ نے ہر جگہ الغ خان لکھا ہے، اور دوسرون نے

[1] فرشتہ ج اول علاء الدین خلجی،

بھی کہین کہین اس کا استعمال کیا، جو ممکن ہے کہ صحیح ہو لیکن فرشتہ نے ایک معمولی فروگذاشت سے الماس بیگ الغ خان اور ملک سنجر الغ خان (سابق الپ خان) مین ناظرین کو مشتبہ کر دیا، اور غلط فہمی سے لوگ سمجھنے لگے کہ دونون ایک ہی ہین، حالانکہ وہ کسی جگہ بھی سنجر یا الپ خان کا نام لے لیتا تو غلط فہمی دور ہو سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہین کیا اور اس طرح عام لوگون مین ایسی بات پھیل گئی، جو واقعہ کے بالکل خلاف تھی،

اس متذکرۂ بالا عبارت مین مین نے فرشتہ کے "الغ خان" اور "امیرالامرا" لکھنے کی تاویل کی ہے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ سب سے پہلے فرشتہ ہی نے اس غلطی کا ارتکاب کیا ہے، ضیاء الدین برنی نے کسی جگہ بھی الپ خان کو الغ خان نہین لکھا ہے، جو گویا چشم دید گواہ ہے، فرشتہ کا ہمعصر بدایونی بھی اس معاملہ مین ضیاء الدین برنی کا مؤید ہے، بعد کی تاریخون مین فقط فرشتہ کی اتباع کے سبب سے غلطی واقع ہوئی، اس لیے میرے نزدیک علاء الدین خلجی کے عہد مین گجرات کا کوئی گورنر الغ خان نامی ہوا ہی نہین،

وفوق کل ذی علم علیم

سوشیالزم کی مختلف حیثیتین

اور

اوسکی اشاعت کے اسباب

از

مولانا عبد السلام ندوی،

(۱)

ڈاکٹر لیبان نے سوشیالزم کی تردید مین ایک کتاب لکھی ہے، جسکا ترجمہ "روح الاشتراکیۃ" کے نام سے عربی مین ہوا ہے، اور اب مین اسکو اردو مین منتقل کر رہا ہون، لیکن مکمل ترجمہ سے پہلے اوس کے اہم مباحث کا خلاصہ معارف کے ذریعہ سے شائع ہوجانا چاہیئے، چنانچہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ناظرین کے پیش نظر ہے،

(۱) تمدنی اور قومی تغیرات کی بنیاد، تین چیز یعنی سیاسیات، اقتصادیات، اور نفسیات پر قائم ہے جنمین سوشیالسٹ گروہ سیاست کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے، لیکن اہل نظر کے نزدیک کسی قوم پر سیاست کا اثر بہت کم پڑتا ہے، اور اسکی اصلی حالت اوس کے عقائد و اخلاق سے نمایان ہوتی ہے، البتہ اس زمانہ مین اقتصادیات کا دائرۂ اثر نہایت وسیع ہوتا جاتا ہے، اور صنعت و حرفت کی ترقی ایک طرف تو ایک قوم کو فقیر بینوا اور دوسری طرف دوسری قوم کو بادشاہ ہفت کشور بنا دیتی ہے، نفسیات کا اثر اس زمانہ مین ان دونون سے بھی کم ہوگیا ہے، قدیم زمانہ مین قومون پر صرف عقائد و افکار کا اثر پڑتا تھا، لیکن اب انکی جگہ

اقتصادی مؤثرات نے لے لی ہے، آج جدید تمدن قدیم تمدن سے صرف اسلیے مختلف ہوگیا ہے کہ ان مؤثرات کی نسبی طاقت بدلگئی ہے، مثلاً پہلے عقائد کا اثر تھا اور اب اقتصاد کا اثر ہے، لیکن باینہمہ نفسیات یعنی عقائد و افکار کا اثر اب بھی قائم ہے، کیونکہ اگر ایک قوم اقتصادی مؤثرات پر غالب آجاتی ہے، اور دوسری قوم ان سے مغلوب ہوجاتی ہے تو اس کا سبب صرف اس کے مزاج نفسی کا اختلاف ہی ہوتا ہے،

(۲) سوشیالزم پر انھی تینون حیثیتون سے بحث کیجا سکتی ہے، جنمین اسکی اقتصادی حیثیت سب سے زیادہ آسان ہے، اور اس کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ معاش کیونکر حاصل کیجائے؟ کیونکر اوسکی تقسیم ہو؟ محنت، سرمایہ اور ذہانت کا کیا درجہ ہے؟ اور اقتصادی تغیرات کا تمدنی انقلابات پر کیا اثر پڑتا ہے؟ لیکن اگر ہم نفسیاتی حیثیت سے نظر ڈالیجائے، یعنی اسکو ایک مذہب اور ایک عقیدہ تسلیم کرکے اُس کے اخلاقی نتائج زیر بحث ہون تو اس مسئلہ کی شکل نہایت پیچیدہ ہوجاتی ہے، اور اس کے سمجھنے کے لیے جماعت کے روحانی خصوصیات اور مذاہب و معتقدات کی تاریخ کو سامنے رکھنا پڑتا ہے، کیونکہ سوشیالزم کے اصول اگرچہ عقل کے بالکل مخالف ہین، لیکن باینہمہ علمائے اقتصاد کے تمام دلائل اوسکی تردید مین ناکامیاب ثابت ہوتے ہین، جسکی وجہ صرف یہ ہے کہ عقائد و مذاہب کی تردید مین دلائل کو ہمیشہ ناکامیابی ہوئی ہے، سوشیالزم کی یہی شکل ایک فلسفیانہ نظریہ کی صورت بھی اختیار کر لیتی ہے، یعنی یہ کہ سوشیالزم درحقیقت اُس نزاع کا نام ہے جو فرد و جماعت مین قائم ہے، اور جماعت یہ سمجھتی ہے کہ افراد کا غلام بنانا اس کا پیدائشی حق ہے، اب سوال یہ ہے کہ آیا ان دونون مین صلح و آشتی ممکن ہے یا نہین؟ دنیا مین صرف مذہب ہی ایک ایسی طاقت ہے جس نے افراد کے مصالح کو جماعت کے مصالح پر قربان کر دیا ہے، لیکن آج مذہب کا اثر بالکل زائل ہوگیا ہے، اور صرف اقتصادی اسباب ایک حد تک ان دونون مین مصالحت کرا سکتے ہین، اور جب ہم تضامن اجتماعی پر بحث کرین گے تو اس حد کی توضیح تبیین کر دینگے،

اس سلسلے مین قومون کی اخلاقی حالت کے اختلاف کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے کیونکہ اس سے بھی سوشیالزم

کے اثر کی تحدید یا توسیع ہوتی ہے، مثلاً جو قومین نہایت مستعد اور سرگرم ہوتی ہین اور صرف اپنی ذات پر اعتماد رکھتی ہین وہ حکومت پر بہت کم بھروسہ کرتی ہین، اور اپنے کامون کو خود انجام دیتی ہین، لیکن جن قومون مین خود اعتمادی نہین پائی جاتی، وہ اپنے تمام اعمال کو حکومت کے سر ڈال دینا چاہتی ہین، اسلیے شخصی زندگی تمامتر حکومت کے شکنجے مین جکڑکر ایک عام قومی یا سیاسی زندگی ہو جاتی ہے، اور جب اس اصول کو زیادہ وسعت دیدیجاتی ہے، تو وہی سوشیالزم کی صورت اختیار کر لیتا ہے، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سوشیالزم ضعیف الاخلاق قومون مین زیادہ بارآور ہوتی ہے، بلکہ خود اخلاقی ضعف ہی سوشیالزم کی تحریک و اشاعت کا بھی سبب ہے کیونکہ یہ کوئی بالکل نئی چیز نہین ہو بلکہ اس سے پہلے بھی قدیم تمدنی دور مین اسکی مدہم سی آواز سنائی دیتی ہے، چنانچہ اسکی سب سے بدترین صورت تو فرقۂ اباحیہ کے اس اصول مین نمایان ہوئی کہ "زن، زر، زمین انسان کی مشترکہ ملک ہین"۔ لیکن اس ذلیل اصول کو چھوڑکر یونان مین فلاطون نے جمہوریت کے نام سے جو کتاب لکھی تھی اس مین سوشیالزم کے تمام اصول مشرح طور پر مذکور تھے، اور یونان مین بہت سی سیاسی شورشون کا مقصد صرف اس قدر تھا کہ دولتمندون کو مال و دولت سے محروم کرکے معاشرتی زندگی کے فرق مراتب کو مٹا دیا جائے انبیائے بنی اسرائیل بھی گویا سوشیالسٹ گروہ کے زعیم و قائد تھے، جنہین حضرت مسیح علیہ السلام سب سے زیادہ بلند آہنگی کے ساتھ فقراء و مساکین کے حقوق کا مطالبہ کرتے تھے، اور انھون نے صاف صاف کہدیا تھا کہ "آسمان کی بادشاہت صرف غریبون کے لیے ہے، اور اس مین دولتمندون کا داخل ہونا اس سے زیادہ دشوار ہے جتنا اونٹ کا سوئی کے ناکے مین داخل ہونا"۔ البتہ اس زمانہ مین یہ آواز بہت زیادہ بلند ہوگئی ہے، جسکی وجہ یہ ہے کہ تمدنی لطافتون نے ہم کو نہایت رقیق الطبع اور شدید الانفعال بنا دیا ہے، ہماری معاشرتی زندگی اگرچہ پہلے سے بہت زیادہ بہتر ہوگئی ہے، لیکن ہم اس پر قانع نہین ہین، بلکہ عقائد و اخلاق سے معرا ہو کر ہم نے صرف اپنی ذات کو اپنا مطمح نظر بنالیا ہے، اور اس مختصر سی زندگی کو جہانتک ممکن ہو عیش و تنعم مین بسر کرنا چاہتے ہین، تمدنی ترقیون نے اس کے بکثرت نئے نئے سامان بھی پیدا کر دیئے ہین، اور وہ ضروریات زندگی کا ایک جزو بنگئے ہین

مال و دولت کی ترقی اگرچہ بہت زیادہ ہوگئی ہے، لیکن اسی کے ساتھ ضرورتین بھی بے انتہا بڑھ گئی ہین، غرض دولت اور ضرورت کا مقابلہ ہوگیا ہے، اور اس صورت مین قناعت کی صرف دو صورتین نکل سکتی ہین، ایک تو یہ کہ جس قدر ضرورتین ہین، ان کے پورا کرنے کے لیے اسی قدر دولت بھی ہونی چاہیئے، اور اس صورت مین دولت اور ضرورت کا یہ عادلانہ توازن قناعت کا سبب ہو سکتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ ضرورتون کو کم کرکے اس توازن ہی کا خاتمہ کر دیا جائے، اور اس حالت مین توازن نہین، بلکہ اختلال توازن موجب قناعت ہوگا، اور مشرق اسی اصول پر عمل کرکے راضی برضائے الٰہی ہوگیا ہے، لیکن یورپ مشرق کی طرح قناعت پسند نہین ہے، وہ اپنی ضرورتون کو کم کرنا نہین چاہتا، اسلیے توازن قائم کرنے کے لیے ہر ممکن طریقہ سے حصول دولت کی کوشش مین مصروف رہتا ہے، جسکا نتیجہ یہ ہے کہ یورپ مین روز بروز خود غرضی بڑھتی جاتی ہے، اور دولت ایک ایسا مقصد زندگی بنگئی ہے، جس نے اس کے لیے اور تمام مقاصد کو خواب فراموش بنا دیا ہے، اسلیے جس قدر دولت کی طلب بڑھتی جاتی ہے، اسی قدر ان لوگون کی تعداد مین بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے، جو دولت کو مساویانہ حصون مین تقسیم کرنے کے موئد ہین،

اس زرطلبی نے یورپ مین ایک عام اخلاقی انحطاط پیدا کر دیا ہے جسکا بدترین نتیجہ یہ ہوا ہے کہ طبقۂ متوسط طبقۂ سافلہ کی نگاہون سے بالکل گر گیا ہے،

یہ تو ان لوگون کا حال ہے، جنکے پاس بقدر ضرورت دولت نہین ہے، لیکن جن لوگون کے پاس ضرورت سے زیادہ دولت ہے، ان کے عز و ناز، فخر و غرور، نمائش و آرائش اور تبذیر و اسراف نے اور بھی سوشیالزم کی تحریک کو مدد دی ہے، موسیو (فاغیہ) کہتے ہین کہ "آدمی کو صرف دوسرے کی خوش نصیبی سے دکھ پہنچتا ہے، اور ایک فقیر کی بدبختی صرف یہی ہے، سوشیالسٹ گروہ گو یہ جانتا ہے کہ وہ سب کو یکسان طور پر دولتمند نہین بنا سکتا، تاہم اس کو یہ توقع ضرور ہے کہ وہ سب کو یکسان طور پر محتاج اور فقیر بنا دیگا، اور اسی لیے وہ جد وجہد کرتا ہے اور اس جد وجہد مین اسکو بہت زیادہ مستحق ملامت بھی نہین قرار دیا جا سکتا، کیونکہ دولتمند طبقہ نے دنیا کے سامنے

کوئی اچھا اخلاقی نمونہ نہین پیش کیا ہے، بلکہ تمام اخلاقی پابندیون سے آزادی حاصل کرلی ہے، اور فرض اور وطنیت کو ایک تمسخر انگیز چیز سمجھنے لگا ہے، اب اس کا صرف یہ کام ہے، کہ جب روپیہ ہاتھ آئے، تو اس کو ذلیل ترین شہوانی لذائذ مین بیدریغ صرف کردے،

یونیورسٹیون کے نوخیز طلبا نے بھی کوئی اچھی اخلاقی مثال نہین قائم کی ہے، وہ ان تمام حقائق سے بے خبر ہین، جنسے اجتماعی زندگی کا تحفظ کیا جاتا ہے، اور ان کے نزدیک وطنیت جیسا کہ مجمع العلمی کے ایک ممبر نے بیان کیا ہے، صرف ضعیف العقل، غلو پسند و معرا از عقل و حکمت وطن پرستون کا خیال ہی خیال ہے، غرض قوم کے طبقات عالیہ کی اخلاقی خرابی، دولت کی غیر مساویانہ بلکہ زیادہ تر ظالمانہ تقسیم اور عیش پرستی کی شدید خواہش نے سوشیالسٹ گروہ کو اعتراض کا موقع دیا ہے، اور وہ آسانی کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہین کہ اس زمانے مین بڑی سے بڑی دولت لاکھون غریبون سے لوٹ کر جمع کیگئی ہے، مثلاً جب اسپین اور ولایات متحدہ کے درمیان جنگ چھڑی اور گیہون کا نرخ گران ہوگیا تو ایک دولتمند امریکن تاجر نے دنیا کا کل گیہون ایک ہی بار خرید لیا اور اس سے ایک ایسا قحط نمودار ہوا کہ ہزارون غربا بھوکے مرگئے، تو کیا اس تاجر کو اگر سوشیالسٹ گروہ ڈاکو کہتا ہے، تو وہ اس تشبیہ مین غلطی کرتا ہے؟ ایسی حالت مین اس زمانے کا سب سے پیچیدہ مسئلہ یہ ہے کہ تمدن کو بڑے بڑے سرمایہ دارون سے جو اخبارات کو خرید کر اور سیاسی مدبرین کو رشوت دے کر ایک مخفی لیکن نہایت طاقتور حکومت قائم کر رہے ہین، کیونکر بچایا جائے؟ موسیو (فاغیہ) لکھتے ہین کہ:-

"یہ نوخیز حکومت ذرہ برابر خیال، اخلاق اور عقل نہین رکھتی، وہ نہ مضر ہے نہ مفید، وہ انسانون کو بھیڑون کا گلہ سمجھتی ہے، جسکو کام کی طرف ڈھکیل دینا چاہیے، اور اس کے بال تراش لینے چاہئین، اسکو عقلی اختراعات، علم و فن اور تہذیب کی مطلق پروا نہین، اس کا کوئی وطن نہین، بلکہ وہ دنیا سے وطنیت کے تخیل ہی کا استیصال کرنا چاہتی ہے"،

ایک علانیہ ظالم کا مقابلہ تو ممکن ہے لیکن ایک مخفی طاقت کا مقابلہ کیونکر کیا جاسکتا ہے؟ اور جو دولت

چندون کے ذریعہ سے دنیا کے تمام حصون مین پھیلائی گئی ہے اس پر کیونکر ڈاکہ ڈالا جاسکتا ہے؟

اس حالت مین ارباب نظر پر ایک عام مایوسی کی کیفیت طاری ہے، اور یہ اس زمانہ کی سب سے بڑی مصیبت ہے، چنانچہ موسیو (لوالیہ) لکھتے ہین کہ:-

طاقتور لوگ بے باکانہ ضعیفون کو پیس رہے ہین امریکن لوگون نے (پورو ج) کو تباہ کردیا، انگریزون نے ہندوستانیون کی ہڈی کا مغز چوس لیا، اور یورپ نے تہذیب و تمدن کے نام سے افریقہ کے حصے بخرے کرلیے، حالانکہ یہ سب کے سب صرف تجارتی منڈیون کی تلاش مین سرگرم ہین، اس نے سلطنتون مین ایک ایسی رقابت قائم کردی ہے جسکی نظیر نہین ملتی، جرمنی، اسٹریا اور اٹلی کا اتحاد اسی حرص و اضطراب سے پیدا ہوا ہے، اور روس نے صرف ذاتی اغراض کے لیے ہم سے میل جول کیا ہے،

باینہمہ بعض فلاسفہ کے نزدیک یہی کشمکش قومی ترقیون کا سنگ بنیاد بھی ہے، ولیس کہتا ہے، "بے شبہہ معاش کا یہ فرق مراتب بہت بڑی مصیبت ہے، لیکن مساوات مین اس سے بھی زیادہ بدبختی ہے اگر ہر شخص اپنی تقدیر پر قانع ہوجائے، اور یہ سمجھ لے کہ وہ اسکو بہتر نہین بنا سکتا تو دنیا بجھ کر رہ جائے، حالانکہ وہ بجھنے کے لیے نہین پیدا ہوئی ہے، ہر شخص کی بدبختانہ ناراضی ہی انسانی ترقیون کا محرک ہے"،

اس کے ساتھ یہ امر بھی تسکین بخش ہے، کہ ہمارے آباء و اجداد نے اس سے بھی زیادہ مصیبتین برداشت کی ہین اور غلامی، لوٹ، مار، قحط، وبا، اور جنگ وغیرہ سیکڑون مصائب سے ان کو دوچار ہونا پڑا ہے، یہ امر بھی قابل مسرت ہے کہ صنعت و حرفت کی ترقی کی بدولت ایک معمولی سے معمولی آدمی کو عیش و عشرت کے وہ سامان حاصل ہین جو قدیم زمانے مین قیصر و کسری کو بھی حاصل نہ تھے،

علم الحیات کا ایک نامعلوم راز

نخزمایہ (PROTOPLASM)

از پروفیسر محمد سعید الدین معلم حیاتیات، جامعۂ عثمانیہ،

فروری کے معارف مین کیستہ الحیات پر جو مضمون شائع ہوا تھا، اسکی تکمیل کے طور پر پروفیسر صاحب نے یہ مضمون عنایت کیا ہے، امید ہے کہ وہ آیندہ اپنا یہ دلچسپ سلسلہ قائم رکھین گے، نحوس مضامین کیلئے نہایت ضرورت ہے کہ اسکی عبارت مین شگفتگی اور دلکشی پیدا کیجائے تاکہ اس زہر کا یہ تریاق بن سکے۔

"نخزمایہ" جامعۂ عثمانیہ کی مجلس اصطلاحات کا بنایا ہوا لفظ ہے، اسکی اصل ہمین معلوم نہ ہو سکی، لیکن اس سے مراد "مادۂ حیات" ہے،

حیاتیات کے ماہرون نے اپنی تحقیق سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تمام جاندار اجسام ایک نہایت ہی غیر قائم اور نازک مادہ سے بنے ہوئے ہین جسے انھون نے نخزمایہ کے نام سے موسوم کیا ہے، ہمین نہین معلوم کہ اس جاندار مادہ کی حقیقت کیا ہے، ممکن ہے کہ اس کے مزید کیمیائی اور طبیعی خواص معلوم ہونے پر ہمارے معلومات مین اضافہ ہو، اس وقت تو ہم اسکی حقیقی ترکیب سے بالکل ناواقف ہین،

نخزمایہ ایک ایسا غیر قائم مادہ ہے کہ امتحان کرنے پر مر جاتا ہے، لہذا زندہ نخزمایہ کا امتحان کرنا ناممکن ہے، مردہ نخزمایہ کا امتحان کیا گیا ہے، بتایا جاتا ہے کہ اس مین پروٹینس (PROTEINS) کاربوہیڈریٹس، شحمیات اور کچھ غیر نامیاتی اجزار کا ایک پیچیدہ آمیزہ ہوتا ہے، اور ۷۰ - ۹۰ فیصدی پانی بھی شامل ہے، یہان جنقدر

[1] اس مین وہ عمل شامل ہین جنکی وجہ سے جاندار جسم مین اضافہ ہوتا جاتا ہے اور وہ عمل بھی جو فضلاتی مادہ کو علٰحدہ کرکے خارج کرتے ہین،

(METABOLISM) کے کاروبار ہوتے رہتے ہین جب کسی خلیہ[1] (جسے انگریزی مین سل کہتے ہین) کے مادہ کو رنگ کر جما دیا جاتا ہے اور خوردبین مین دیکھا جاتا ہے تو ایک پیچیدہ جالدار اور ریشہ دار ساخت دکھائی دیتی ہے، جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے یہ اسکی اصلی ساخت نہین، بلکہ مردہ ساخت ہے، یہ تصور کر لیا گیا ہے کہ جاندارون کی حرکات اس مادہ مین کیمیائی اور طبیعی تبدیلیون کی وجہ سے عمل مین آتی ہین،

پروفیسر تھامسن لکھتے ہین کہ یہ مناسب ہوگا کہ کسی ایک جاندار مادہ کو نخزمایہ نہ کہین، کیونکہ عزیزی مظاہر کا انحصار کئی پیچیدہ مادون کے باہمی عمل پر ہوتا ہے،

بس یہی ہماری تحقیق ہے جس پر ہم نازان ہین جب اصلی جز یعنی جان ہی جسمی مادہ سے غائب ہو جائے اور ہم اس مردہ مادہ کی تحقیق مین اپنا سر کھپائین تو کیا فائدہ، علمائے سائنس کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ وہ اس اصلی جز تک نہین پہنچ سکتے اس وجہ سے کہ بنانے والے نے اسکو اپنے قبضہ مین رکھا ہے، اگر یہ راز بھی انسان کو معلوم ہو جائے تو پھر کونسی چیز باقی رہ سکتی ہے، باوجود اتنی نزاکت کے جاندار جسم آسانی کے ساتھ برباد نہین ہو سکتا، اس کے برخلاف بہتر سے بہتر انسانی ہاتھون کی بنائی ہوئی مشینین بھی جسکی بناوٹ مین مضبوط سے مضبوط چیزین استعمال کیجاتی ہین نسبتہً بہت جلد جواب دیدیتی ہین، اس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ انسانی کاروبار اور قدرت کے کاروبار مین کتنا بڑا فرق ہے،

[1] یہ تصور کیا جاتا ہے کہ جاندار جسم کئی چھوٹے چھوٹے خانون پر مشتمل ہے، ہر ایک کو سل یا خلیہ کہتے ہین،

تلخیص و تبصرہ

مدرسۃ السنۂ مشرقیہ لندن

اگرچہ مشرق مین سب سے بڑی حکومت برطانیہ کی ہے، لیکن آج سے کچھ قبل تک اس کے دارالسلطنت مین السنۂ مشرقیہ کی مستقل تعلیم کا کوئی بندوبست نہ تھا، حالانکہ اس کے مقابلہ مین فرانس مین اس قسم کا مدرسہ ۱۸ وین صدی ہی مین قائم ہوچکا تھا اور برلن کے مدرسہ کو بھی عالم وجود مین آئے پورے چالیس سال گذر چکے ہین، اس وقت اس کالج مین تقریباً ۴۲ مشرقی زبانون مین تعلیم دیجاتی ہے، اور ان مین بعض ایسی ہین جو صرف برطانوی حکومت ہی مین بولی جاتی ہین، حال ہی مین اس مدرسہ کی دسوین سالگرہ کے موقع پر اسکی مزید توسیع واستحکام کے لیے ۵۰۰۰۰ پونڈ کی اپیل کیگئی ہے، اسی سلسلہ مین ٹائمس لندن کے تعلیمی ضمیمہ نے اس مدرسہ کی تاریخ بھی شائع کی ہے، اخبار مذکور لکھتا ہے کہ اگرچہ نوآبادیات کے مرکزی شہرون مین مشرقی زبانون کی تعلیم کا بہت معقول بندوبست تھا، لیکن خود حکومت کے دارالسلطنت کا دامن اس سے خالی تھا، اس کے قیام کا فخر سر کمبل بنرمین کو حاصل ہے کہ انھون نے اس مدرسہ کے قیام کے لیے سرکاری امداد کا نہ صرف وعدہ کیا بلکہ اوسکے لیے سرکاری عمارت اور مستقل اعانت حاصل کی، یہ عمارت لندن انسٹیٹیوشن کے فنسبری لوکس مین ہے، اس کے اخراجات کا تقریباً نصف بار یعنی ۱۳۲۵۰ پونڈ سرکاری خزانہ ادا کرتا ہے، کیونکہ حکومت کے فوجی وملکی دونون محکمون کے افسر اس سے مستفید ہوتے ہین، حکومت ہند سالانہ ۲۲۵۰ پونڈ دیتی ہے لندن کی مجلس بلدیہ ۱۳۳۳ پونڈ،

اس مدرسہ کی مجموعی آمدنی تقریباً ۲۴۰۰۰ پونڈ ہے، اور ۵۵۰۰ پونڈ فیس سے وصول ہوتے ہین اور اگرچہ کسی جگہ سے کوئی معقول وظیفہ یہان پڑھنے کے لیے مقرر نہین ہے، پھر بھی تین ہزار طلبہ اس مدرسہ مین

نام لکھا چکے ہین، اس مدرسہ کا تعلق جامعہ لندن سے ہے، اور اگرچہ جامعہ کا خیال ہے کہ اسکو مستقلاً ایک شعبۂ تعلیمات قائم کردیا جائے لیکن مالی مشکلات کی وجہ سے اب تک یہ ایک عارضی شے کی حیثیت رکھتا ہے، یہ مدرسہ ایشیا، وافریقہ کے نہ صرف السنہ، ادبیات، مذاہب، تاریخ، علوم وفنون کا مرکز ہے بلکہ مختلف برطانوی ممالک کو جانے والون کو وہان کی مروجہ زبانین بھی سکھاتا ہے،

تجارتی حیثیت سے بھی یہ مدرسہ خاص اہمیت رکھتا ہے، حال ہی مین ولیعہد برطانیہ نے جو اپیل شائع کی تھی، اس مین بتایا تھا کہ محکوم ممالک کی زبانون سے عدم واقفیت کی بنا پر برطانوی مال اچھی طرح ان ممالک مین نہین پھیلایا جاسکتا، دوسری طرف دوسرے تجارتی ممالک کے ارکان، ان ملکون کی زبانین سیکھ کر وہان جاتے اور اپنی چیزون کو خوب رائج کرتے ہین بعض کارخانون اور بنکون نے بھی یہ اصول قائم کر رکھا ہے کہ وہ اپنے افسرون کو مشرقی ممالک مین بھیجنے سے پہلے ان ممالک کی زبانون مین تعلیم دیدیتے ہین، اس طرح یہ مدرسہ سیاسی، ملکی، فوجی، اور تجارتی حیثیت سے یکسان مفید وکارآمد ہے،

دنیا کے آزاد اور محکوم ملکون کے رقبے

"ن"

آج دنیا مین آزادی کا دور دورہ ہے، شخصی آزادی، جنسی آزادی، مذہبی آزادی، قومی آزادی، وطنی آزادی، غرض ہر نوع کی آزادی کی پکار ہے، یہ آزادی کی آواز یورپ سے اٹھکر دنیا کے گوشہ گوشہ مین پھیل رہی ہے، مگر تم کو معلوم ہے کہ اس آزادی کی جنت کا شجر ممنوعہ کیا ہے؟ سیاسی آزادی!

دنیا کے براعظم کا رقبہ یہ ہے

ایشیا	۱۶۳۰۰۰۰۰ مربع میل	جنوبی امریکہ	۶۸۶۰۰۰۰
افریقہ	۱۱۰۹۰۰۰۰ "	یورپ	۳۶۷۰۰۰۰
شمالی امریکہ	۷۶۲۰۰۰۰	اسٹریلیا	۳۰۱۰۰۰۰

قسطنطنیہ کے محدود علاقہ کے علاوہ تمام یورپ مین اہل یورپ ہی آباد ہین، اور انھی کی حکومت ہے،

اسٹریلیا کا بھی تقریبًا یہی حال ہے، شمالی وجنوبی امریکہ کا حال بھی اس کے مشابہ ہے، ایشیا مین مندرجۂ ذیل ممالک کو آزاد و مختار سمجھا جا سکتا ہے،

جاپان	۲۳۶۰۰۰ مربع میل	افغانستان	۲۴۶۰۰۰ مربع میل
چین	۴۳۰۰۰۰۰ ″	سیام	۲۰۰۰۰۰ ″
ایران	۶۳۰۰۰۰ ″	نیپال	۵۴۰۰۰ ″
میزان			۵۶۶۶۰۰۰ ″

اگر ایشیا کے مجموعی رقبہ سے ان ممالک کے رقبون کو گھٹا دیا جائے تو ہم کو نظر آئے گا کہ ۱۰۷۰۴۰۰۰ مربع میل رقبہ کسی نہ کسی طرح، کسی نہ کسی یورپین قوم کے ماتحت ہے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایشیا کا بیشتر حصہ محکوم ہے،

اب افریقہ کو لیجیے، اس مین مندرجۂ ذیل ممالک کو اس حیثیت سے آزاد کہا جا سکتا ہے کہ وہان کسی غیر افریقی قوم کی حکومت نہین ہے،

حبش	۳۵۰۰۰۰ مربع میل	لیبیریا	۴۰۰۰۰ مربع میل
مصر	۳۶۳۱۸۱ ″	میزان	۷۵۳۱۸۱ ″

اس کو مجموعی رقبہ سے گھٹائیے تو معلوم ہوگا کہ اس براعظم کا بھی بڑا حصہ یعنی ۱۰۳۳۶۸۱۹ مربع میل اہل یورپ کے زیر نگین ہے،

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تقریبًا کرۂ ارض پر ان لوگون کی حکومت ہے جو یورپین نسل سے اور یورپین زبان بولنے والے ہین، شمالی وجنوبی امریکہ اور اسٹریلیا مین محکوم قوم اتنی تعداد مین ہے ہی نہین کہ وہ آزادی کا مطالبہ کرسکے کیونکہ اہل یورپ نے یہان کے قدیم باشندون کو تقریبًا فنا کردیا ہے،

تعجب ہے کہ مضمون نگار نے ایشیا کے آزاد ملکون مین ٹرکی کا نام داخل نہین کیا ہے، بہر حال جنگ کے بعد اسکی حکومت کا بھی اب کوئی بڑا رقبہ نہین رہ گیا ہے، تاہم فارس اور ارمان کے علاقہ تھریس سے نکل کر اب پھر ٹرکی مین شامل ہو چکے ہین،

سنسکرت کی تعلیمی امداد مین حکومت کا حصّہ

دنیا کو کسی ایسے تاریخی زمانہ کا علم نہین، جب سنسکرت زبان پردۂ عالم مین کہین بولی جاتی ہو، اگر کبھی تاریخ سے پیشتر وہ بولی جاتی تو آج جب محکمۂ آثار قدیمہ کا ہاتھ، زمین کے ساتون طبقون کو الٹ کر تاریخی دفینے باہر نکال رہا ہے کسی سنسکرت بولنے والی قوم کی لکھی ہوئی، پتھر، یا لوہے یا پیتل کی کوئی تختی، یا مہر، یا اینٹ تو ہاتھ آتی،

بہر حال وہ ہمارے ملک کی سب سے بڑی آبادی کی مذہبی اور علمی زبان ہے، اور اسکو قائم اور باقی رکھنا اس کا فرض ہے، چنانچہ ہندو قوم اس کے لیے جو ذاتی اور غیر سرکاری کوششین کر رہی ہے وہ ہردوار، بنارس پونہ، مدراس اور دیگر مذہبی حلقون کو چھوڑ کر ہندو ریاستون مین میسور، بڑودہ، اور بعض ریاستون کے کارنامون سے ظاہر ہے، نیز انگریزی کالجون مین روز بروز اسکو جو ترقی حاصل ہو رہی ہے، وہ بھی لحاظ کے قابل ہے،

ان چیزون کو چھوڑ کر ہمارے وطنی بھائیون کی کوششون نے خود حکومت کو بھی اسکی سرپرستی اور امداد پر مجبور کر دیا ہے، چنانچہ اس وقت ہر صوبہ کے سرمایۂ تعلیم کا ایک معقول حصہ اس زبان کی اشاعت وحفاظت پر صرف کیا جا رہا ہے، مندرجۂ ذیل اعداد و شمار ہمارے اس بیان کی تصدیق کرینگے،

نام صوبہ	آمدنی	تعلیمی رقم	سنسکرت کے لیے
مدراس	۱۶۹۳۵۹۷۸۳	۱۸۷۴۷۵۲۰	۵۴۲۹۶
بمبئی	۱۵۰۰۰۵۴۹۶	۱۹۲۳۸۲۴۳	۱۰۰۳۶
بنگال	۱۰۷۰۵۸۰۰۰	۱۳۱۷۲۵۹۹	۲۱۹۹۱۱
صوبہ متحدہ	۱۲۷۱۱۰۴۷۸	۱۸۵۰۰۰۰۰	۸۶۰۰۰
پنجاب	۱۲۶۵۴۰۰۰۰	۱۳۳۰۴۷۵	نہ معلوم ہوسکا
برما	۱۰۵۶۰۲۹۶۸	۹۷۰۱۱۲۴	×

نام صوبہ	آمدنی	تعلیمی رقم	سنسکرت کے لیے
بہار و اڑیسہ	۵۷۸۶۴۰۰۰	۸۸۴۷۴۱۴	۱۴۹۹۲۴
صوبہ متوسط	۵۴۶۱۵۴۷۵	۵۳۴۷۶۰۷	۶۳۰۱۹
آسام	۲۵۶۸۳۰۰۰	۲۵۱۱۰۰۰	۱۶۰۰۰
کرگ	۱۳۹۶۲۶۶	۱۴۳۴۸۳	۱۵۰۰
دہلی	۲۲۶۰۷۶۲	۵۸۱۱۴۷	معلوم نہ ہوسکا
بلوچستان	۲۲۰۰۰۰۰	۲۷۸۰۰۰	۸۴۰
اجمیر و مارواڑ	۲۱۷۲۲۲۳	۲۷۰۳۰۷	نہ معلوم ہوسکا
صوبہ سرحدی	×	۱۸۳۹۵۶۷	۱۹۸۲

اس مین وہ رقمین شامل نہین ہین جو عمارات کی مدین صرف ہوئی ہین، اور نہ بعض مین وہ رقمین ہین جو عام اسکولون اور کالجون کے اساتذۂ سنسکرت کو تنخواہ کی شکل مین دیجاتی ہین،

لاسلکی کی نئی ترقیان

"ن"

لاسلکی (بے تار کی برقیات) کے سلسلہ مین حیرت انگیز ایجادات و اختراعات کا اضافہ ہوتا جاتا ہے، ابھی چند ماہ گذرے کہ لاسلکی کے ذریعہ تصویر کے منتقل ہونے کی اطلاع ملی تھی، پھر بے تار کے ٹیلیفون کی ایجاد عمل مین آئی، یہان تک کہ لندن اور نیویارک کے درمیان مین گفتگو کامیابی کے ساتھ عمل مین آئی،

اب لاسلکی برقیات کی ترقی نے ایک اور حیرت انگیز قدم اٹھایا ہے، چنانچہ یورپ کے بعض رسائل کے حوالہ سے المقتطف مصر کا بیان ہے کہ اسکاٹ لینڈ کے ایک ماہر مسٹر بابر ڈ نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جس سے انسان دور دراز کی چیزون کو ان کی اصلی شکل و صورت، وضع قطع اور کیفیت و حالت مین دیکھ سکتا ہے، کیونکہ اسکی آنکھون کے سامنے کے تمام پردے برق کی تیز رفتار شعاعون سے چاک ہو جاتے ہین، اس لیے

جن چیزون کو دیکھنا مقصود ہوتا ہے وہ اپنی اصلی حالت و کیفیت مین نظر آجاتی ہین، موجد نے اس آلہ کا تجربہ اہل علم کے ایک بڑے مجمع مین کیا، اور پورے مجمع نے بداہتہ اس کے دعوی کی تصدیق کی،

اس آلہ مین اور لاسلکی کے ذریعہ تصویر منتقل کرنے مین باہم کوئی مماثلت نہین ہے، کیونکہ تصویر مین کسی خاص فلم یا فوٹوگرافی لوح پر جو فوٹو ہوتا ہے اور وہ اس طرح رکھا جاتا ہے کہ برقی رو اس کو توڑ کر کے پھیلتی ہے اور ایک ایسی لطیف الحس بیٹری پر جا کر وہ پڑتی ہے جو روشنی کے تغیرات کو قبول کرتی رہتی ہے، یہ روشنی پیدا ہونے والی برقی رو فضا مین لاسلکی لہرین پیدا کرتی ہین پھر جہان تصویر لیجاتی ہے، وہان ایک ایسا آلہ لگا ہوتا ہے جو ان برقی لہرون کو جا کر کے روشنی مین منتقل کرتا رہتا ہے، یہ روشنی ہلکے اور گہرے خطوط لوح پر بناتی جاتی ہے، اور سایہ اور نور کی جگہون کو نمایان کرتی جاتی ہے، اور اس طرح تصویر لوح پر ایک دھندلی سی شکل بنجاتی ہے جسکو بعد مین ابھار لیا جاتا ہے،

یہ جدید آلہ اس اصول پر نہین بنایا گیا ہے، اس کے ذریعہ سے ہم جس شخص کو چاہین اپنی آنکھون سے اسکو اسی حالت مین دیکھ سکتے ہین، اگر وہ کھڑا ہے تو ہم کو کھڑا اور اگر چل رہا ہے تو چلتا دکھائی دیگا، گویا ہماری قوت بصارت اس قدر تیز ہو جاتی ہے کہ وہ میلون کی دور چیزونکو صدہا پردون کے حائل ہونے کے باوجود دیکھ لیتی ہے،

موجد نے ابھی تک اس آلہ کے پرزون اور اس کے طریق عمل کا اعلان نہین کیا ہے، اور وہ ہنوز پردۂ راز مین ہے، بظاہر اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آلہ ایسی غیر مرئی برقی شعاعون سے متاثر ہوتا ہے جو دیکھی جانے والی چیزون سے منعکس ہونے والے نور کو میلون تک پھیلا دیتی ہین اور انسان کے لیے ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ تاریکی کے پردہ مین چھپی ہوئی چیزون کو دیکھ لے،

امید ہے کہ یہ آلہ لاسلکی ٹیلیفون کی طرح گھر گھر پھیل جائے گا، کیونکہ ابتداء مین اسکی قیمت صرف تیس پونڈ ہے، اور پھر رفتہ رفتہ اس مین بھی کمی ہوتی جائے گی،

خیال کیا جاتا ہے کہ اس جدید اختراع سے دنیا کی سیاست اور علمی جدوجہد مین عظیم الشان انقلاب برپا ہو جائے گا، کیونکہ بہت ممکن ہے کہ صرف اسکی وجہ سے موجودہ طریقۂ جنگ مین کوئی اہم تغیر و تبدل ہو جائے

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس آلہ اور لاسلکی ٹیلیفون کی بیک وقت مدد سے دور دراز کے لوگوں سے بالمشافہ گفتگو کرین اور انسان اہم مقاصد کے سلسلہ میں دو بدو گفتگو کرنے کے لیے دور دراز کے سفر کی زحمت اٹھانے سے نجات پاجائے،

"ز"

جدید عربی تالیفات

آجکل مصر، شام اور عراق میں مختلف علوم و فنون پر عربی زبان میں بعض عمدہ اور محققانہ کتابین شائع ہو رہی ہین، تاریخی کتابون میں سب سے اہم تالیف شام کے مشہور وسیع النظر مورخ شیخ محمد کرد علی رئیس المجمع العلمی العربی دمشق کی خطط الشام ہے جو علامہ مقریزی کی خطط مصر کے طرز پر لکھی گئی ہے، اور نہایت تحقیق، جامعیت اور بسط و تفصیل کیساتھ شام کی گذشتہ تاریخ، تمدن، معاشرت، عمارات اور علوم و فنون کے متعلق صدہا کتابون سے چنکر معلومات جمع کئے گئے ہین، اسکی تین جلدین پیشتر شائع ہو چکی تھین، جو شام کی سیاسی تاریخ پر مشتمل ہین، اب اسکی چوتھی جلد شامی تمدن پر ہے، جسمین پہلے عربی و اسلامی تمدن پر ایک تبصرہ ہے، اس کے بعد شامی تمدن کو پانچ ابواب مین تقسیم کر کے نہایت توضیح سے واقعات لکھے گئے ہین، اسی سلسلہ مین شام کے علما، مورخین، مہندسین، اہل موسیقی، اور مصورین وغیرہ کے تذکرے بھی علوم کے ذیل مین آگئے ہین، ابھی اسکی اور جلدین زیر تالیف ہین،

السوریۃ والسوریون (شام اور شامی) کے نام سے ڈاکٹر فلیپ پروفیسر جامعہ امریکیہ بیروت کے تین خطبون کا مجموعہ ہے، ان تینون خطبون کے عنوانات یہ ہین، شام کے تعلقات دیگر سامی قومون سے، صلیبی لڑائیون مین اہل یورپ نے شام سے کیا سیکھا، اور اسلام کی تاریخ مین شام کا مرتبہ،

پروفیسر انیس زکریا نصولی کی الدولۃ الامویہ فی الشام بھی لائق ذکر ہے، جسمین انھون نے اموی حکومت پر اجتماعی حیثیت سے نظر ڈالی ہے اور اس کے محاسن بتائے ہین، مصنف بغداد کے جامعۂ ال البیت مین تاریخ کا پروفیسر تھا، مگر اس کتاب کی تالیف نے بغداد کے شیعہ حلقہ اور طلبہ مین ایسی بےچینی پیدا کی کہ شہر مین فتنہ و فساد کی نوبت پہنچی، طلبہ اور پولیس مین جنگ ہوئی، اور آخر کار حکومت کو مجبور ہو کر مؤلف کو نہ صرف یہ کہ جامعہ سے علحدہ کر دیا بلکہ عراق سے بھی نکال دیا، یہ ابھی پچھلے چند مہینون کا تازہ واقعہ ہے،

فلسفہ و اخلاق مین موسیو لیبان کی ایک نئی کتاب کا ترجمہ الآراء والمعتقدات کے نام سے شائع ہوا ہے جسمین عقائد اور خیالات کی پیدائش، رسوخ اور انقلاب کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے، عبد القادر مغربی مجمع دمشق کے استاد نے الاخلاق والواجبات کے نام سے ایک خاص کتاب لکھی ہے جسمین انھون نے مذہب اسلام کے اصول کو فلسفۂ اخلاق کے اصول سے موازنہ کر کے حقائق کی گرہ کشائی کی ہے،

موسیو لیبان کی ایک اور مختصر کتاب تاریخ تمدن مصر ترجمہ ہوئی ہے، جسمین مصنف نے تعمیرات اور آثار کی روشنی مین قدیم مصری تمدن، مذہب، اخلاق اور علوم پر بحث کی ہے، اور اس باب مین اپنے غور و فکر کے نتائج پیش کئے ہین،

ڈاکٹر طہٰ حسین کی کتاب الشعر الجاہلی کا تذکرہ کسی گذشتہ معارف مین آچکا ہے، اس کے جواب مین متعدد کتابین لکھی گئین جنمین سے مشہور مصری اہل قلم محمد فرید وجدی کی نقد الشعر الجاہلی، استاذ محمد لطفی کی الشہاب الراصد، استاذ مصطفےٰ الرافعی کی تحت رایۃ القرآن (قرآن کے جھنڈے کے نیچے) ایسی کتابین ہین جنھون نے عربی مین بعض اہم ادبی اور تاریخی مباحث کا اضافہ کیا ہے، اور ڈاکٹر صاحب کے خیالات و افکار اور نظریون کی اُن مین ہر مصنف نے اپنے طرز پر تردید کی ہے،

قرآن مجید کے متعلق دو کتابین قابل ذکر ہین، شیخ مصطفےٰ صادق رافعی کی اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویۃ اور شیخ محمد سعید البانی قاضی عجلون کی الفرقدان النیران فی بعض المباحث المتعلقۃ بالقرآن، پہلی کتاب مین قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پر جدید طرز و اسلوب سے بحث کیگئی ہے، اکثر موجودہ علما نے اوس پر اچھی تقریظین لکھی ہین، اور پسند کی ہے،

"ل"

لُغاتِ جدیدہ

چار ہزار، جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، قیمت عہ ضخامت ۱۶۱ صفحے،

"منیجر"

اخبارِ علمیہ

شاہی تعلیمی کانفرنس؛ جس طرح جنگ کے بعد برطانوی حکومت کے مقبوضات کے نمائندون کی سالانہ مجالس، سیاسی مسائل پر غور کرنے کے لیے ہوا کرتی ہین، اسی قسم کی ایک عام شاہی مجلس ہر تیسرے برس تعلیمی مسائل پر تبادلۂ خیال کے لیے منعقد ہوتی ہے، اس سال اس کا اجلاس لندن مین ۲۰ جون سے ۸ جولائی تک ہوگا، ہر نوآبادی کی حکومت اپنا نمائندہ اس مین بھیجیگی اور یہ نمائندہ اس حکومت کے محکمۂ تعلیم کا ایک افسر ہوگا، سر آبرے سیمنڈ جو مجلس تعلیمات برطانیہ کے مستقل معتمد ہین، اس کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے صدر ہین،

اس کانفرنس مین جن مسائل پر بحث ہوگی، ان کو پانچ شعبون مین تقسیم کیا گیا ہے، ایک جماعت طالب علم کی حالت بعد تکمیل تعلیم پر بحث کرے گی، دوسری جماعت ان ممالک کے متعلق گفتگو کرے گی جو خطِ استوا پر واقع ہین اور جہان مختلف اقوام کے لوگ رہتے ہین، تیسری جماعت دیہاتون مین تعلیم کے موضوع پر اظہارِ خیال کریگی، چوتھی جماعت جدید خیالات و حالات پر نظر ڈالے گی، اور پانچوین جماعت عام تعلیمی مسائل کے متعلق ہوگی، عام مسائل مین لاسلکی اور سینما کے ذریعہ تعلیم کا مسئلہ بھی ہوگا،

گویا سینما، عرصہ سے اس بات کی کوشش ہو رہی تھی کہ سینما مین متحرک تصاویر کے ساتھ ہی اتحادِ صوت بھی پیدا کیا جائے اور اگرچہ اس کے متعدد ابتدائی تجربے بھی ہو چکے تھے، لیکن ان مین یہ نقص تھا کہ آواز اور تصاویر کی حرکت ایک ساتھ نہین ہوتی تھی، اب نیویارک امریکہ کی جنرل الکٹرک کمپنی نے اپنے تجربہ گاہ مین عرصہ کی کوشش کے بعد اس کمی کو بھی پورا کرنے مین کامیابی حاصل کر لی ہے اور حال مین تجربۃً جو تصاویر دکھائی گئی تھین ان مین خیالات کا اظہار تحریری نہین بلکہ صوتی تھا، اور اشتراکِ حرکت اور صوت بھی قائم

تھا، امید کہ یہ ایجاد بہت جلد عام تماشہ گاہون مین بھی پہنچ جائے گی،

زہرِ سیماب، جامعہ کارنل کے مشہور استاد ایل، ایم، ڈونس نے ایک مضمون مین اس حقیقت کو ظاہر کیا ہے کہ وہ اشخاص جو سیماب کے کارخانون مین کام کرتے ہین، دراصل تدریجی طریقہ سے اپنے کو لبِ گور پہنچاتے ہین، کیونکہ سیماب سے جو بخارات پیدا ہوتے ہین وہ سانس کے ذریعہ غیر محسوس طور پر پھیپھڑون مین داخل ہو کر ان کو خراب ہی نہین کر دیتے بلکہ دوسری ناقابلِ علاج بیماریان بھی پیدا کر دیتی ہین برلن کے مشہور استاد کیمیا پروفیسر الفریڈ رسٹاک نے بھی اسکی تصدیق کی ہے،

عکس ریزی کی ترقی کا ایک اور قدم، اس وقت تک عکس ریز کے ذریعہ صرف ہڈیون وغیرہ کے بیرونی حالات کی تصاویر لیجا سکتی تھین، لیکن حال مین اساتذۂ فن کی جو مجلس برلن مین منعقد ہوئی تھی، اس مین ڈاکٹر السنر نے یہ اعلان کیا ہے کہ وہ اب عکس ریز کے معدہ اور اس کے اندر جو اشیاء موجود ہون اور جس حالت مین ہون انکی صاف و واضح تصویر لے سکتے ہین، ان تصویرون کیلئے انھون نے خاص قسم کا کمرہ بھی ایجاد کیا ہے اور وہ پندرہ سکنڈ کے اندر سات تصاویر کھینچ لیتا ہے،

تیزاب کے ذریعہ حلق و صدر کا علاج، ڈاکٹر اسی، تھولا نے دعویٰ کیا ہے کہ مسلسل تجربہ کے بعد وہ اس انکشاف مین کامیاب ہوئے ہین کہ اگر تیزاب کو بخارات کی شکل مین منتقل کر کے انکی سانس لیجائے تو اس سے نہ صرف یہ کہ حلق و صدر کی کوئی بیماری پیدا نہین ہوتی، بلکہ سل و دق کے ابتدائی مدارج کے مریض بھی اس سے صحتیاب ہو سکتے ہین، انھون نے اس کا تجربہ ایک ایسے کارخانہ مین کیا ہے جہان تیزاب استعمال ہوتا تھا اور جب کمرہ مین تیزاب استعمال ہوتا تھا، اس کے کام کرنے والون کو نہ صرف یہ کہ کوئی حلقی یا صدری مرض نہین ہوا

بلکہ وہ عام متعدی امراض سے بھی محفوظ رہے،

سب سے بڑا خطرہ،۔ ڈاکٹر ایل، او، ہورڈ نے سائنٹفک امریکن مین ایک دلچسپ طویل مضمون مین یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اگرچہ بنی نوع انسان کی مختلف جماعتین سیاسی، تجارتی، مذہبی و معاشی عداوت کی وجہ سے ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہو رہی ہین، لیکن وہ اپنے اصلی دشمنون سے ناواقف ہین، ان کا خیال ہے کہ یہ کرۂ ارض انسان سے زیادہ زہریلے کیڑون کے لیے زیادہ موزون ہے، اور خدا کی یہ خاموش لیکن خطرناک مخلوق انسان اور اس کے کام آنے والے جانورون کو تباہ کرنے کے کام مین مشغول ہے، ان کی پیشین گوئی ہے کہ اگر موجودہ صورتِ حال باقی رہی تو وہ زمانہ زیادہ دور نہین جب یہ ناقابلِ التفات دشمن انسان کو اس دنیا سے فنا کر دے گا، اس لیے انسان کا فرض ہے کہ حفاظتِ خود اختیاری کے اصول پر باضابطہ اعلانِ جنگ کر کے یا تو دشمنون کو فنا کر دے یا پھر خود ہی فنا ہو جائے،

دنیا کی آبادی، سر چارلس کلوز نے حال ہی مین شاہی مجلس جغرافیہ کے سامنے دنیا کی آبادی کے متعلق بعض اعداد پیش کیے تھے، انھون نے بتایا کہ ۱۹۲۴ء مین تمام دنیا کی آبادی ۸۵۹۰۰۰۰۰۰ انفوس پر مشتمل ہے، ہر سال دو کرور آبادی کا اضافہ ہوتا ہے، اس صورت مین ۱۹۲۷ء مین یہ تعداد بڑھکر ۱۹۵۷۰۰۰۰۰۰ ہو جائے گی، برفستانی و ریگستانی علاقہ کو مستثنیٰ کر کے ہر مربع میل کے حدود کے اندر ۳۸ اشخاص آباد ہین، لیکن مختلف ممالک کی آبادی مختلف ہے، مثلاً انگلستان و ویلز مین ہر مربع کیلو مٹر مین ۲۵۱ اشخاص آباد ہین، بلجیم مین ۲۴۵، اطالیہ مین ۱۳۰، جرمن مین ۱۲۷، فرانس مین ۷۱، اسکاٹلینڈ مین ۶۲، خود مختار ریاست آئرلینڈ مین ۴۴، اسپین مین ۴۴، روس مین ۲۴، ناروے مین ۸،

"ن"

ادبیات

حسنِ باقی

از جناب شبیر حسن صاحب جوش ملیح آبادی،

چونک اے دل کہ ابھی تک ہے وہ محفل باقی
وہی صحرا ہے، وہی جلوۂ محمل باقی،

ہے بدستور ہلالِ شبِ اوّل ضَو ریز
ہے اوسی طرح جمالِ مہِ کامل باقی

اب بھی ہر چیز ہے آئینۂ رخسارِ حبیب
اب بھی ہر شے ہے یہان ناز کے قابل باقی

اب بھی ہر دل پہ ہے اس کاکلِ شبرنگ کا دام
اب بھی ہر روح مین ہے شورِ سلاسل باقی

دشت پیما نظر آتا نہین کوئی ورنہ
وہی جادہ ہے ابھی تک وہی منزل باقی

سر فروشانِ محبت ہی نہین ہین ورنہ
وہی قاتل ہے، وہی خنجرِ قاتل باقی

غور کرنے سے الجھتا ہے ترا دل، ورنہ
ہے وہی کشمکشِ حلِّ مسائل باقی

تونے سننے کی قسم کھائی ہے نادان، ورنہ
اب بھی گلشن مین ہے کلبانگِ عنادل باقی

آج تک رسمِ رہِ عشق کا محکم ہے نظام
وہی ناخن ہین، وہی عقدۂ مشکل باقی

ہوش مین آ، کہ ازل سے ہے برابر اب تک
خندۂ شاہدِ مطبوع شمائل باقی

تونے کیا سوچ کے یون میان مین رکھ لی تلوار
دیکھ اب تک ہے نزاعِ حق و باطل باقی

سن کہ اب تک ہے بیابان مین جرسِ گرمِ فغان
اُٹھ، کہ اب تک ہین بہت واقفِ منزل باقی

راہ کو منزلِ مقصود سمجھنے والے!
جانتا ہے ابھی کتنے ہین مراحل باقی؟

ذرۂ خاک کو جوہر بنا دیتا ہے،
آج بھی تجھ مین ہے وہ جوہرِ قابل باقی

دل مین جو آگ تھی، ہر چند پڑی ہے ٹھنڈی
پھر بھی اک آنچ سی ہے متصلِ دل باقی

نبضِ فطرت کی دھمک جوش ہو کیونکر معلوم
جو دھڑکتا تھا وہ پہلو مین نہین دل باقی

امید

از جناب مولوی سید سراج الحسن صاحب ترمذی وکیل ہائیکورٹ حیدرآباد دکن

تو ہے شمعِ انجمن، عالم ہے پروانہ ترا — تو نشاطِ روح ہے، نغمہ ہر روح افزا ترا
اے بہارِ بیخزان اے شاہدِ رنگین قبا! — کتنا دلکش ہے نظر مین جلوۂ زیبا ترا
لذتِ فردا تری آغوشِ ساغر مین ملی — رنجِ دوشین کا مداوا نشۂ صہبا ترا
تیرے خاکستر سے ہوگا مہرِ خاور پھر بلند — طالبانِ نور کی محفل مین ہر چرچا ترا
مطربِ خوش نغمہ پھر دیتا ہے پیغامِ حیات — یادِ ماضی ہے مری ہر نغمۂ فردا ترا
ہو گا پھر ابرِ بہاری خیمہ زن کہسار پر — دے گا پھر پھولون سے بھر دامن مرا صحرا ترا
مرتبہ کیا جانے اپنی خاک کا تو اے امید! — سجدہ گاہِ قیس ہے، سنگِ درِ لیلا ترا

تیری پیشانی خبر دیتی ہے صبحِ عید کی
جلوہ گر پھر ہو گی عالم مین کرن امید کی

آ نظر اے ساقیِ خمار! میخانہ بدوش — تیری صہبا کے تصور سے آ جاتے ہین ہوش
خانۂ ہستی ہے پر رونق ترے انوار سے — گرم تیرے دم سے محفل مین صلائے نوش نوش
ہستیِ انسان عبارت تیری ہستی سے ہوئی — بحرِ امکان مین تری تحریک سے جوش و خروش
اے کہ تو بھولا ہوا ہے مژدۂ لا تقنطوا — سن ذرا گوشِ حقیقت سے یہ پیغامِ سروش

ایک بار اور انقلابِ آسمان ہونے کو ہے
پھر ترے زیرِ نگین سارا جہان ہونے کو ہے

نغمہ ہو کیون آشنائے لذتِ تاثیر سے — سوزِ نہان سے ترے جب سازہی بیگانہ ہو
گرم پھر ہو جا دلِ ویرانہ کی تعمیر مین — تیری تسکین رازِ تعمیرِ دلِ ویرانہ ہو
ذرہ ذرہ دہر کا، جلوہ سے تیرے مستنیر — شمعِ محفل تو ہے اور سرمایۂ پروانہ ہو
سچ بتا کس خاک کا جوہر ہے تو جامِ امید — شیخ کا کشکول ہے رندون کا تو پیمانہ ہو
تو جہان آئی کہ دل سے فکرِ فردا دور ہے — تیری موجِ بحر کا ہر قطرہ اک میخانہ ہو

تو شرارِ عشق ہے برقِ دلِ حساس ہے
نور ہے سینہ کا تو اور روح کا احساس ہے

منزلین طے کر کے پہنچی مصر سے سینا مین تو — شوقِ موسیٰ تو بنی پھر وادیِ ایمن بنی
چمکی تیشہ مین وہان سے آئی جوئے شیر مین — ناتوانی مین تو زورِ بازوئے کوہکن بنی
چشمِ نابینا کو تیرا نور روشن کر گیا — دیدۂ یعقوب کی خاطر تو پیراہن بنی
شکل مین شبنم کی اتری آسمان سے رات کو — دن کو کشتِ سبز مین سرمایۂ خرمن بنی
ابرِ رحمت بنکے چھائی تو فضائے دہر پر — دشتِ ویران مین برس کر صورتِ گلشن بنی
یون تو ظاہر مین تمناؤن کا بتخانہ ہے تو — پر حریمِ دل مین تو اللہ کا مسکن بنی

کچھ سہارا ہے تو بس تیرا ہے اے بیکس نواز
مظہرِ لطفِ الٰہی، دو جہان کی کارساز

نالۂ بسمل

از جناب مولوی امین الحسن صاحب بسمل موہانی، ناظم پائیگاہ سالار جنگ

تیری عنایتون نے گرانبار کر دیا — آمرزشون نے اور گنہگار کر دیا
کس ذوق شوق سے مین چلا حشر دیکھنے — رحمت نے اس کی واقفِ اسرار کر دیا

مین رازِ کائنات سے بیگانہ تھا مگر
اے عشق تو نے مجھکو خبردار کر دیا

ہون مبتلائے کشمکشِ جبر و اختیار
خود سر بنا دیا مجھے ناچار کر دیا

آنکھین فسون طراز تو غمزے مسیح دم
بیخود بنا دیا کبھی ہشیار کر دیا

دعوے مین سادگی تھی مگر پیچ پڑ گئے
انشا جو قصۂ رسن و دار کر دیا

ہم زندگی سمجھتے تھے جس کو وہ خواب تھا
بالین پہ آکے موت نے بیدار کر دیا

کیا چاہتا ہون اُن سے مین سرگشتۂ وفا
میری نگاہِ یاس نے اظہار کر دیا

بسمل کو میکدہ سے سروکار کیا مگر
ساقی کی چشمِ مست نے میخوار کر دیا

کلامِ اکبر

از جلال الدین صاحب اکبر بی اے، (لاہور)

ہجوم صد بلا ہے اور مین ہون
تمنائے قضا ہے اور مین ہون

دلِ درد آشنا ہے اور مین ہون
محبت کا فزا ہے اور مین ہون

نہ پوچھو بے دلیہائے تمنا
دلِ حسرت فضا ہے اور مین ہون

نہ چھیڑو قصۂ بے تابیِ غم
دلِ محشر نوا ہے اور مین ہون

ادھر وہ بت ہے اور ساری خدائی
ادھر میرا خدا ہے اور مین ہون

مری دون ہمتیِ کار دیکھو
مقدر کا گلہ ہے اور مین ہون

نہین کوئی ٹھکانا بیکسون کا
تری دولت سرا ہے اور مین ہون

کیا مجھ کو یہ برباد عاشقی نے
کہ اب دستِ دعا ہے اور مین ہون

وہی مین ہون وہی دردِ محبت
وہی صبح و مسا ہے اور مین ہون

مین اکبر قیدیِ الفت ہون یعنی
وہی نا آشنا ہے اور مین ہون

بابُ التقریظِ والانتقاد

باقیاتِ فانی

از

مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین

ولی دکھنی سے لیکر میر و سودا تک اور میر و سودا سے لیکر داغ و امیر و جلال تک اردو شاعری کا ایک خاص رنگ تھا، جو تمامتر ایران و ہندوستان کے ممزوج تمدن کا نکھار تھا، غدر کے بعد ہندوستان کے تمدن، علوم اور خیالات کا یورپ کے تمدن، علوم اور خیالات سے جو تصادم ہوا، اس کے اثر سے اردو شاعری بھی نہ بچ سکی، شمس العلماء آزاد اور مولانا حالی، اور اس کے بعد میر اکبر حسین ہمارے شعراء کی پہلی جماعت ہے جس نے اس اثر کو قبول کرکے اردو شاعری کا رنگ بدلا، اس کے بعد وہ دور آیا جب خود جدید تعلیم کے آثار و نتائج نے برگ و بار پیدا کیا، آزاد و حالی اور اکبر شاعری کی دوسری صنفون کو مثلاً قصائد، قطعات، رباعیات کو قدیم طرز کے تنگ کوچہ سے آزاد کرکے جدید طرزِ شاعری کے وسیع میدان مین لے آئے، مگر غزل مین اگرچہ یہ بوڑھے بھی اپنے عشق و محبت کی قدیم داستانون کو نہ بھلا سکے، اور اپنی جوانی کی رودادِ حسن و عشق کے اظہار مین کوئی تاویل، تحریف اور تغیر مناسب نہ سمجھی، نوجوان اقبال نے جدید تعلیم و خیالات کے زور سے اپنے لئے نیا راستہ نکالا، اور یکہ و تنہا اپنے ہوائی جہاز پر بیٹھکر اپنا سفر شروع کر دیا، غزل کی دنیا مین انقلاب درحقیقت حسرت نے پیدا کیا، اگر وہ قید خانہ کی بیگاری مین کام پیدا کرنے کے لیے شاعری نہ کیا کرتے تو انکی اولیت کے نمبر کو کوئی مٹا نہین سکتا تھا، جو

حال ان سے مختلف رہا، ان کو زلیخائے شاعری کا دیدار زندانِ یوسف ہی میں نظر آتا رہا، جب باہر آئے تو مصر قومی کے قحط کے بندوبست سے ان کو فرصت نہ ملی، حسرت کے بعد عزیز، فانی، اصغر اور جگر نے موسم کے اس تغیر کو بالکل نمایاں کر دیا، اور غزل کی زمین میں پرانے گل و ریاحین کے بدلے نئے نئے رنگ اور نئے نئے پھول کھلائے، اس دور کے خیالات جو ابھی تک درجۂ تکوین میں ہے، پچھلے دور سے جو ختم ہو چکا بالکل مختلف ہیں، اصطلاحات، محاورات اور زبان و طرزِ ادا میں غیر معمولی فرق پیدا ہے،

اس وقت ہمارے سامنے فانی کا دیوان باقیاتِ فانی ہے، اور اسی کے متعلق کچھ عرض خیال کرنا ہے اس سے پہلے ان کے کلام کا مجموعہ دیوانِ فانی کے نام سے شائع ہوا تھا، اس میں ابتدائی مشق کا منتخب اور سنہ ۱۹۱۹ء تک کا کل کلام شامل تھا، اب حال میں انھوں نے اپنے کلام کا مکمل مجموعہ باقیاتِ فانی کے نام سے اربابِ ذوق کے سامنے پیش کیا ہے، جو چار مختلف اجزاء پر مشتمل ہے،

پہلے حصہ میں جناب رشید احمد صاحب صدیقی پروفیسر اردو مسلم یونیورسٹی کا اردو شاعری پر ۴۰ صفحہ کا مبسوط ریویو ہے، اس میں موصوف نے اپنے خاص رنگ اور طرز میں نہایت خوبی اور جامعیت کیساتھ عام شاعری پر بحث کی ہے، ریویو کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے،

شاعری فطری ہے کسبی نہیں، مفہومِ شعریت، تعریفِ شاعری، موجودہ شعرا کے اقسام، شاعر کے لئے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں، شاعری کا طریقہ علی الترتیب خیال، اس کے لیے موزون الفاظ، خیال اور طرزِ ادا کی ندرت، ندرتِ خیال کے لیے نئی ترکیبیں اور بندشیں، "حسنِ منجمد" "لرزشِ انعطافی" "رقصِ مترنم" "شبابِ مرتعش" جیسی مہمل اور بے معنی ترکیبوں سے احتراز، قدماء کے کلام سے فائدہ اٹھانا، شعراء کا مطمحِ نظر، قوم ملک اور زمانہ کے روایات و رجحانات سے بلند ہونا چاہیے، کسی مخصوص فرد یا خاص کلام کو نمونہ نہ بنانا چاہیے، بلکہ براہِ راست روح القدس سے کسبِ نطق کرنا چاہیے، شاعر کو پارینہ دفتر کے بجائے جس پر سیکڑوں نقاش اپنی مصوری کے نمونے دکھا چکے ہوں، بیاضِ فطرت کے سادہ اوراق پر نقش آرائی کرنا چاہیے، حقیقی شاعر کون ہے، اور اسکی

شاعری کے اجزا کیا ہونے چاہئیں، شاعری کی مختلف تعریفیں، آخر میں آرٹ پر دلچسپ بحث کی ہے،

دوسرے حصہ میں ۱۴ صفحے میں پروفیسر صاحب نے فانی کی شاعری پر ریویو کیا ہے اور اس کے بعض پہلوؤں پر کافی روشنی ڈالی ہے، یہ دونوں حصے "سرودِ بستان" کے نام سے علیحدہ بھی شائع ہو چکے ہیں، شعر و شاعری کے موضوع پر اس سے پہلے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، چنانچہ مولانا حالی اور مولانا شبلی نے مقدمہ اور شعر العجم میں اس پر بہت مفصل بحث کی ہے، مولانا اقبال سہیل نے بھی نشاطِ روح کے مقدمہ میں دلنشین طرز سے نئے مضامین ادا کئے ہیں، لیکن اس موضوع پر اب بھی بہت کچھ کہنے کی گنجائش باقی ہے، اس حیثیت سے پروفیسر صاحب کا یہ مقدمہ فائدہ سے خالی نہیں ہے اور اس میں شاعری کے بہت سے نکات اور نوجوان شعرا کی بے راہ روی کو روکنے کے لیے بہت سی کار آمد ہدایات ملتی ہیں،

دوسرے جز کا بڑا حصہ فانی اور غالب کے موازنہ پر مشتمل ہے، اسمیں شک نہیں کہ فاضل نقاد نے نہایت خوبی سے اس فرض کو ادا کیا ہے، لیکن یہ پہلی کشید کی خوبی تھی کہ اسکو فانی نے دو آتشہ کر کے اور تیز کر دیا، ورنہ غالب کی گلاب آمیز بادہ کو فانی کی سوڈا واٹر ملی ہوئی شراب سے کوئی مناسبت نہیں، فانی کے صرف دس پانچ اشعار ایسے مل سکتے ہیں جو غالب کے اشعار کے مقابل میں پیش کئے جا سکتے ہیں، لیکن غالب کے بیسیوں اشعار ایسے ہیں کہ فانی کا خیال وہاں تک بمشکل پہنچ سکتا ہے، بہرحال یہ ایک ناقد کی رائے ہے، اگر بجائے اس طول موازنہ کے فانی کی شاعری کے مختلف پہلو دکھائے جاتے تو انکی شاعری کے تمام محاسن سامنے آجاتے،

رشید صاحب کے خیالات کا جہاں تک تعلق ہے ان کا مقدمہ نہایت دلپسند اور مفید ہے، مگر جہاں تک زبان اور طرزِ ادا کا تعلق ہے وہ صرف ایک خاص قسم کے خیالات کی تعبیر و ادا کے لئے موزون ہے، سنجیدہ ظریفانہ مضامین کے طرزِ خاص کے وہ موجد ہیں، اور اس بزم میں ان کے یہ قہقہے محفل میں رونق پیدا کرتے ہیں، مگر فلسفیانہ اور ٹھوس خیالات ان کے قہقہوں کی گونج میں منتشر ہو جاتے ہیں، بہرحال وہ "سرودِ بستان" ہے، امید ہے کہ یہ سرود بعض سرستوں کی یاد دہانی کا فرض ادا کرے گا،

تیسرے حصہ مین، جناب جگر مرادآبادی کا، ۱ صفحے کا تبصرہ ہے، ہمارے خیال مین یہ حصہ بالکل غیر ضروری تھا، ”نقاد شاعر“ نے خود بھی اس کلیہ کو سمجھ لیا ہے کہ ہر شاعر کا ناقد ہونا ضروری نہین، بہرغرض ان سب مراحل کے بعد منزلِ مقصود آتی ہے، یعنی اصل دیوان جسمین زیادہ حصہ غزلون کا ہے اور کچھ قطعات، رباعیات اور متفرق اشعار ہین،

فانی کے دیوان کو پڑھکر جو بات سب سے پہلے ذہن مین آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایسے شاعر ہین جو دنیا کی بے ثباتی اور یاس سے سرتاپا محزون اور غمگین ہین، اور ان جذبات کے اظہار مین وہ حقیقی شاعر ہین،

حقیقی شاعری کی خصوصیات ایک عام خیال کا معمولی طریقہ سے ایک مخصوص وزن مین ادا کردینا معمولی بات ہے جسکو ہر ناظم بآسانی کرسکتا ہے، لیکن حقیقی شعرار کے کلام کے لیے بعض خصوصیات درکار ہین، اس مین سب سے مقدم خیال کی ندرت ہے یعنی شاعر کا خیال اتنا وسیع اور بلند ہو کہ عام نگاہین وہان تک بمشکل پہنچ سکین، اس کے بعد ندرتِ ادا کا درجہ ہے، یعنی مضمون اگرچہ پامال ہو، لیکن اسکو اس سلوب سے باندھا جائے کہ بالکل نیا ہوجائے اس کے بعد پھر بندش، جوشِ بیان، لطفِ زبان، وغیرہ کا درجہ ہے، ان خصوصیات کے علاوہ اس کا ایک خاص رنگ ہونا چاہیئے جو اس کا طغرائے امتیاز ہو، فانی کا کلام ان تمام اوصاف کا جامع ہے،

ندرتِ خیال و ندرتِ ادا مرنے کے بعد خاکِ عاشق کا دامنِ یار سے لپٹ کر دل کی بھڑاس نکالنا ایک پامال مضمون ہے جسکو سیکڑون شعرار نے نظم کیا ہے، لیکن فانی کی ندرت سے ان کو کوئی نسبت نہین، انکی خاک بھی دامنِ یار سے لپٹتی ہے، لیکن ساتھ ہی احترامِ حسن کا دامن بھی ہاتھ سے نہین چھوٹتا ہے، خاکِ عاشق کی گستاخ دستی پر یار کی عتاب آلود نگاہ پڑجاتی ہے، ذرہائے خاک مین احساسِ تقصیر پیدا ہوتا ہے اور وہ حالتِ فنا مین بھی کانپ اٹھتے ہین،

کس نظر سے اس نے دیکھا اپنے دامن کی طرف   کانپ اٹھا ہر ذرہ میری خاکِ دامنگیر کا

خزان کی بربادیون اور بہار کی رنگینیون کے بہت سے مناظر دیکھے ہونگے لیکن فانی کی تعبیر نے جو بہار پیدا کردی ہے اسکی مثال مشکل سے مل سکیگی، ان کے یہان خزان اور بہار صرف معشوق کی دو مختلف

کیفیتون کے مظاہر ہین،

بہار نذرِ تغافل ہوئی، خزان ٹھہری   خزان شہیدِ تبسم ہوئی، بہار ہوئی

دوسرے مصرعہ کی لطافت و رنگینی کس درجہ پر کیف ہے،

آہ و نالۂ عشاق کا کارگر حربہ ہے کہ اسی کے اثر سے محبوب مشقِ ستم چھوڑکر، مائل بکرم ہوجاتا ہے، لیکن اسی غمخوارِ عشاق کی تاثیر، فانی کے یہان سرمایۂ انفعال و ندامت بنجاتی ہے اور اسکے بدولت کرم تو کجا لطفِ ستم بھی چھن جاتا ہے،

وہ بے وفا جفا سے بھی اب آشنا نہین   کیا منفعل ہون آہ کی تاثیر دیکھ کر

شعرا عموماً ہجر کے مصائب اور عشق کی نامرادیون سے تنگ آکر موت سے مصائب کا خاتمہ چاہتے ہین لیکن فانی کا عشق ان سے بلندتر اور پاکیزہ تر ہے، ان کے یہان عشق مین مرنا شہادت کا ہم پایہ اور کسی کی یاد مین جان دیدینا خدا کی راہ مین کام آنے کے برابر ہے، جسمین ظاہری موت کے بعد ایسی دائمی زندگی ہے جسکو کبھی فنا نہین، اسلیے وہ عشق کے مصائب سے موت کے خواہان نہین ہوتے کیونکہ وہ شے جو مصائب کا سبب ہے یعنی زندگی وہ اور مستقل اور پائدار ہوجاتی ہے، اور جب چند روزہ مصائب ناقابلِ برداشت ہین تو دائمی مصائب کے برداشت کے لئے کہان سے قلب وجگر آئے،

ہو غمِ ہستیِ جاوید گوارا کیونکر   جان کیا دین کہ بہت جان سے بیزار ہین ہم

فراق کی راتون مین دل کی تڑپ کا مضمون شعرار نے مختلف پہلوؤن سے باندھا ہے، لیکن فانی کی تڑپ سے اسکو کوئی مناسبت نہین،

دل کیون شبِ فراق تڑپ کر ٹھہر گیا
کیون اضطراب کیا تری صورت بدل گئی

ہر درد و ہر کرب کی آخری حد یہ ہے کہ سکون ہوجائے اسلئے انتہائی اضطراب کے بعد سکون لازمی ہے

لیکن فانی اس سکون کو سکون ہی نہین مانتے بلکہ اضطراب کی دوسری شکل سمجھتے ہین،

"وہم رشک" کو اس لطیف انداز سے باندھا ہے کہ اس کے بعد رشک کا کوئی درجہ باقی نہین رہجاتا،
رشک و رقابت کے بہت سے مضامین ناظرین کی نظر سے گذرے ہونگے لیکن رشک کی یہ صورت شاید
پہلی بار دنیا مین ظاہر ہوئی ہے، عاشق نگاہِ التفات کا پیاسا موجود ہے، معشوق آئینہ خانہ مین اپنے حسن و جمال کی
رعنائی دیکھتا ہے ساتھ ہی اسکو یہ بھی خیال آتا ہے کہ عاشق کو میرے عکس پر رشک نہ آجائے کہ وہ حیرت سے مجھکو
تک رہا ہے، اسلیے فوراً عاشق کے چہرہ پر نظر ڈالتا ہے کہ اسکے جذبۂ رشک کا اندازہ لگائے،

شرمندہ وہم رشک سے اتنا نہ کیجئے — آئینہ دیکھکر مجھے دیکھا نہ کیجئے

معشوق کے ہاتھون عاشق کا قتل اور اس قتل بے گناہی کا قصاص روز حشر پر اٹھا رکھنا ایک عام
بات ہے لیکن فانی دنیا ہی مین انتقام لیتے ہین اور کیسا زبردست انتقام لیتے ہین،

قاتل سنبھل کہ یہ نگہ واپسین نہین — خنجر ہے مرے دل کے لہو مین بجھا ہوا

ایک معشوق اپنے وفادار شیدائی کو بے دردی سے قتل کرتا ہے، قتل کے وقت عاشق آخری
حسرت بھری نگاہ جسمین بے گناہی اور آخری وفاداری کا نور جھلک رہا ہے، عاشق کے چہرہ پر ڈالتا ہے،
کیا اس حسرت انگیز نگاہ کی تاثیر سے زیادہ کوئی انتقام ہوسکتا ہے؟

طاقتِ صبر اس وقت جواب دیتی ہے جب کوئی حالت ناقابلِ برداشت ہوجاتی ہے، لیکن
فانی دامنِ صبر چھوڑنے کا ایک نرالا اور پرکیف سبب بیان کرتے ہین،

بنتی نہین ہے صبر کو رخصت کئے بغیر — کام ان کی بے قرار نگاہون سے پڑگیا

صبر اور بے قراری کا بے تکلف تقابل تضاد بھی قابلِ توجہ ہے،

عشق کی ابتدا اور اسکی انتہا کا بیان اس سے زیادہ بلیغ اور اچھوتے پن سے اور کیا ہوسکتا ہے،

ہائے کیا دن ہین کہ نقشِ سجدہ ہو اور سر نہین — یاد ہین وہ دن کہ سر تھا اور وبالِ دوش تھا

اسی ابتدا اور انتہا کا دوسرا رنگ بھی ملاحظہ ہو، ابتدائے عشق مین نالہ و شیون اور فریاد و فغان سب کچھ
ہوتا ہے لیکن انتہا یہ ہے کہ طاقتِ فریاد تک مسلوب ہوجاتی ہے، اس وقت معشوق فریادرسی کرنا چاہتا ہے،
لیکن طاقتِ فریاد جواب دے چکی ہے،

آمادۂ فریادرسی ہے وہ ستمگر — فریاد! کہ اب طاقتِ فریاد نہین ہے

کلیم اور طور کا واقعہ شعرا کا خاص موضوع ہے اور ہر شاعر نے اس پر طبع آزمائی کی ہے، ان سب مین
اتنا قدر مشترک ضرور ہے کہ کلیم نے طور پر برقِ تجلی دیکھی اور خرمن ہوش پر بجلی گر پڑی، لیکن فانی صورت واقعہ
مین مشتبہ ہین ان کے نزدیک جمال یار بے نقاب نہین ہوا تھا بلکہ نقابِ یار پر نظر پڑی تھی اور موسیٰ جسکو
برقِ تجلی سمجھے وہ اسی زرتار نقاب کا تار تھا، کچھ اور نہین،

جمال بے حجاب تھا کہ جلوہ تھا حجاب کا — کلیم! برقِ طور تھی کہ تار تھا نقاب کا

اس شاعرانہ تخیل کو حقیقت کی نگاہ سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ فانی "در پردہ" یہ کہنا چاہتے ہین کہ طور
پر ذات کی تجلی نہ تھی، صفات کی جلوہ آرائی تھی،

برق و نشیمن کی جنگ بہت قدیم ہے ادھر غریب بلبل نے کوئی تنکا رکھا، ادھر برق کی نگاہ غضب سے
جلکر خاکستر ہوگیا، فانی کے یہان اس رسم کے ادا کرنے کے لیے برق کی ضرورت نہین کہ خود تنکون مین
آتشگیر مادہ موجود ہے،

نہ آ قریب کہ پروردۂ فنا ہون مین — بنا ہے برق کے تنکون سے آشیان اپنا

بلکہ اس سے بھی بڑھکر صرف ہوسِ تعمیر کا نام برق ہے، اور یہ سچ ہے کہ صرف "خواہش" ہی کے وجود
سے مصائب اور مشکلات کا دنیا مین وجود ہے،

تعمیرِ آشیان کی ہوس کا ہے نام برق — جب ہم نے کوئی شاخ چنی، شاخ جل گئی

اسی برق کو تیرے آشیانہ پر گرتے دیکھئے،

اس کے سوا نہین خبرِ آشیان مجھے   مین تھا اسیرِ دام تو بجلی چمن مین تھی

فراقِ عاشق کے لیے پیامِ مرگ ہے، لیکن یہی فراق درد آشنا قلوب کے لیے ایک نعمت اور ایک زندگی ہے،

عمرِ خضر کے انداز ہر نفس مین پاتا ہون   زندگی نئی پائی آپ سے جدا ہو کر

عامیون کے لیے حسن کا اپنی جفاؤن پر پشیمان ہونا، فالِ نیک اور مظالم کی حسن تلافی ہے، لیکن اس پشیمانی سے خواص کی روح لرز جاتی ہے،

روح اربابِ محبت کی لرز جاتی ہے   تو پشیمان نہ ہو، اپنی جفا یاد نہ کر

عشق کی اس عالی ظرفی، پاکیزگی، او احترامِ حسن مین ملکوتیت کی شان جھلکتی ہے، اسی عالی ظرفی کو دوسرے الفاظ مین یون ادا کرتے ہین،

صبر شایانِ محبت تو نہین ہے لیکن   شکر اگر بن نہ پڑے شکوۂ بیداد نکر

زخمِ عشق کے لیے تلاشِ مرہم ننگِ عاشقی بلکہ نمک پاشی ہے،

دوست تسلی دینے آئے لیکے دوائین چارہ گر آیا   لیجئے آئی زخمِ جگر پر آگ اور تازہ آفتِ مرہم

جبینِ نیاز سجدہائے شوق کے لئے بے قرار ہے لیکن نقشِ کفِ پا کی شناخت نہین، اسلیے ہر نقش کو دیکھکر ذوقِ سجدہ بے قرار ہوجاتا ہے اور سر مین آشفتگی پیدا ہوجاتی ہے،

ہر نقشِ پا کو دیکھ کے دھنتا ہون سر کو مین   پہچانتا نہین ہون تری رہ گذر کو مین

اسی زمین مین غالب نے تھوڑے تغیر کے ساتھ اسی جذبۂ حیرانی کو اس طرح ادا کیا ہے،

چلتا ہون تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ   پہچانتا نہین ہون ابھی راہ بر کو مین

فصلِ بہار مین سودائیانِ عشق کا گریبان کو نا بدامن کر دینا ایک عام مضمون ہے لیکن فانی کی ندرتِ بیان اسکو بالکل اچھوتا کر دیتی ہے، چاک گریبانی انھون نے بھی دکھائی ہے لیکن اسکو چاک سے

نہین تعبیر کرتے بلکہ گریبان کا دامن سے گلے ملنا کہتے ہین،

بہار آئی کہ یارب عید آئی اہلِ زندان کو   گریبان نے گلے لپٹا لیا بڑھ بڑھ کے دامان کو

بہار اور دیوانون کی عید، عید اور گلے لپٹانے کی مناسبتین قابلِ لحاظ ہین،

ناوکِ مژگان کی چھیڑ ملاحظہ ہو،

کیا پھر ترے ناوک نے کیا عزمِ نوازش   لبیک کی آتی ہے صدا چاکِ جگر سے

ناوک کے عزمِ نوازش پر چاکِ جگر کا لبیک کہنا دونون مین ربطِ پنہانی کی طرف لطیف اشارہ ہے،

آنکھین صرف اس لئے تھین کہ جمالِ یار کا شوق ان کی نگاہون سے ظاہر ہو لیکن جب شوق کی جگہ یاس نے لے لی تو پھر آنکھون کو زمانۂ شوق کی یادگار کے سوا اور کیا کہا جائے،

نگاہِ شوق کے دم تک تھین آنکھین   اب آنکھین یادگارین ہین نظر کی

نظر تو زمانۂ شوق کی یادگار تھی، یادگارِ وفا بھی ملاحظہ ہو،

اب جفا ہے نہ وفا، یادِ وفا باقی ہے   تھی جہان شمع وہان خاک ہے، پروانونکی

غمِ عشق کی داستان سرائی، درحقیقت اسکی رسوائی ہے، لیکن تغافل پرسش کی طرف مائل نہین ہوتا، اور وفا کی شرط یہ ہے کہ دل پر کچھ بھی گذر جائے لیکن زبان عرضِ حال سے آلودہ نہو، ان دونون نے عاشقی کی شرم رکھ لی،

حسن مجبورِ تغافل ہے ادب شرطِ وفا   رہگئی شرم غمِ عشق کے افسانون کی

حصولِ آرزو ایک خیالِ خام ہے، لیکن فریب خوردہ دل نہین سمجھتا،

ہان ہم نہ تھے فریبِ تمنا سے بے خبر   کیا کہئے کیا کیا دلِ امیدوار نے

عاشق کی موت و حیات کچھ بھی اس کے اختیار مین نہین ہے یہ سب کسی کی نظر کا کرشمہ ہے،

قضا پہ اب ہے مری زندگی کا دار و مدار   سو وہ بھی انکی اداؤن کے اختیار مین ہے،

غم اسی وقت تک غم ہے جب تک اسمین احساسِ تکلیف باقی ہے، شاعر کہنا چاہتا ہے کہ پہلے غم دیا لیکن مسلسل مشقِ ستم سے برداشتِ غم عادت ثانیہ ہوگئی اور احساسِ غم کا مزا جاتا رہا، غالبؔ نے اس سے پہلے اسی خوگریِ رنج سے اپنی مشکل حل کی تھی،

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹجاتا ہے رنج   مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں

فانیؔ نے کہا،

غم مٹا دیا غم کا لذت آشنا کرکے   کیا کیا ستمگر نے خوگرِ جفا کر کے

میرا خیال ہے کہ غالب کے شعر سے فانی کے شعر مین زیادہ شعریت ہے، غالب نے صرف فلسفہ کی حیثیت سے اس حقیقت کو پیش کر کے حلِ مشکل کیا ہے، لیکن فانی نے اسکو بھی معشوق کا ایک نیا ستم بتایا ہے کہ جسکو اس نے اسلیے کیا کہ ستم کی لذت سے محروم ہو جاؤن،

درد مندی کی آخری حد یہ ہے کہ غم مین مزا آنے لگے، اور اسکی بربادی دل کی بربادی کے مترادف ہو، چنانچہ فانی کا درد آشنا دل نگاہِ التفات سے التجا کرتا ہے کہ دلِ مایوس ناز پروردۂ غم ہو، خدارا اس کو نگاہ لطف وکرم سے برباد نہ کر،

دلِ مایوس کو اے عہدِ کرم شاد نہ کر   ناز پروردۂ غم ہے اسے برباد نہ کر

فانی کی ندرتِ خیال وبیان کی یہ چند مثالین تھین، اس چھوٹے سے دیوان مین ابھی اور بکثرت اسکی مثالین مل سکتی ہین،

اخلاق وتصوف فانی کی شاعری محض عشق کے جذبات لطیفہ تک محدود نہین ہے، بلکہ وہ شاعری کی زبان مین اخلاق وتصوف کے حکیمانہ اور نازک مسائل کو نہایت خوبی سے بیان کرتے ہین، اور درحقیقت یہی شاعری کی جان ہے اور اس سے شاعری کی زمین آسمان بنجاتی ہے،

وحدۃ الوجود تصوف کا بڑا معرکۃ الآرا مسئلہ سمجھا جاتا ہے، یعنی عالم کون وفساد مین جو کچھ بھی ہے، اسکا

کوئی حقیقی وجود نہین بلکہ عناصر کی تمام نیرنگیان صرف اسی ایک ذات کے مختلف مظاہر ہین، فانی اس کو نہایت سادگی اور بے تکلفی سے یون ادا کرتے ہین،

آپ ہی اپنی آڑ مین تو ہے   تو حقیقت ہے اور تو ہی مجاز

خدا انسان کو ہر قسم کی قوتین عطا کر کے دنیا مین بھیجتا ہے، اور دنیا کا گوشہ گوشہ دلفریبیون اور رنگینیون سے معمور ہے، لیکن پھر بھی تاکید ہے کہ خبردار! دامن آلودہ نہ ہو،

مست کو چاہیے بلا کا ہوش   خُم دے اور دیانہ اذنِ خروش

فارسی کے مشہور شاعر نے اسی خیال کو اس پیرایہ مین ادا کیا ہے،

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ   باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

مختلف نمونے ملاحظہ ہون،

ہے عکسِ روئے دوست پہ اک پرتوِ مجاز   میری نظر بھی کھچ گئی تصویرِ یار مین

—•—

تعینات کی حد سے گذر رہی ہے نگاہ   بس اب خدا ہی خدا ہے نگاہ والون کا

—•—

بیخودی مایۂ عرفان خودی ہے یعنی   محرمِ جلوۂ اسرار ہے نامحرمِ ہوش

—•—

ہم نہ ازل سے آجتک سجدہ سے سر اٹھا سکے   چھپ گئے ہین جلوہ ہائے دوست کب کے حریمِ ناز مین

—•—

کچھ نہ وحدت ہے نہ کثرت نہ حقیقت نہ مجاز   یہ ترا عالمِ مستی وہ ترا عالمِ ہوش

یہ تصوف کا رنگ تھا، اخلاق کے نمونے ملاحظہ ہون،

خودداری،

محتاجِ اجل کیون ہے خود اپنی قضا ہو جا   غیرت ہو تو مرنے سے پہلے ہی فنا ہو جا

—•—

دعا گدائے اثر ہے گدا پہ تکیہ نہ کر   کہ اعتمادِ اثر کیا ملا ملا نہ ملا

—•—

وہ پائے شوق دے کہ جہت آشنا نہ ہو   پوچھون نہ خضر سے بھی کہ جاؤن کدھر کو مین

دنیا ایک معمہ ہے،

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

دنیا مین آکر کیا ملا،

ملا ازل مین مجھے میری زندگی کے عوض
وہ ایک لمحۂ ہستی جو صرف خواب ہوا

شوخی و ظرافت شوخی و ظرافت شاعری کے چہرہ کا غازہ ہے، بغیر اس کے شاعری حسن بے نمک اور شراب بے کیف رہتی ہے، لیکن اعتدال اور سلامتِ مذاق سب سے پہلی شرط ہے ورنہ یہی شوخی عریان ہو کر شاعر کو بدمذاق اور لطفِ سخن کو بے مزہ کر دیتی ہے، بہت سے اساتذۂ فن ایسے ہین کہ انکی شاعرانہ عظمت مسلم ہے لیکن انکی استادی کے اعتبار سے ان کے کلام کو درجۂ مقبولیت حاصل نہین، اس کا سبب یہی ہے کہ وہ اعتدال پر قائم نہ رہ سکے، اور انکی شوخی اعتدال سے بڑھکر سوقیانہ پھکڑ ہو گئی، اگرچہ فانی کا رنگ یاس و ناکامی ہے جس مین شوخیون کی زندہ دلی کو بار نہین تاہم ان کا کلام اس سے یکسر خالی نہین، ذرا ان کی شوخ اداؤن کی بہار دیکھئے،

مجکو مضطر دیکھ کر ان کو حجاب آنے لگا
ہو چلی ہین وہ نگاہین رازدانِ اضطراب

کیون سادگی مین طور کچھ اب بانکپن کے ہین
کل تک تو سادگی کی ادا بانکپن مین تھی

انکی آزردگی بھی بے سبب کی خوب ہے
کیا مزے کا ہے تقاضا عذرِ بے تقصیر کا

ہر آن فتنہ ہے ہر فتنہ اک قیامت ہے
ترا شباب ہوا دورِ آسمان نہ ہوا

نہ بن پڑا کوئی عذرِ جفا کسی سے تو ہائے
ادا وہ یاد ہے گھبرا کے روٹھ جانے کی

لبریز تموج تھا اک خطِ پیمانہ
محفل سے جو وہ اٹھے لیتے ہوئے انگڑائی

رُخ مری جانب نگاہِ لطف دشمن کی طرف
یون ادھر دیکھا کئے گویا ادھر دیکھا کئے

تمھین کس دل سے اپنی جان کہئے
وفا اس نے تو کی اور عمر بھر کی

زبان زبان بھی شاعری کا ایک حسن ہے، لیکن اس باب مین نہ اس قدر غلو کرنا چاہئے کہ اصل الاصول اسی کو قرار دیدیا جائے اور اس سے زیادہ ضروری چیزین مثلاً خیالات کی وسعت اور پاکیزگی وغیرہ کو بالکل قطع نظر کر دیا جائے اور نہ اس قدر بے نیاز ہو جانا چاہئے کہ زبان کے تمام قیود کو توڑ کر آزادی حاصل کر لیجائے، اگر دوسرے محاسن کے ساتھ زبان کی چاشنی بھی موجود ہو تو شعر اور زیادہ لطیف اور پسندیدہ ہو جاتا ہے، فانی کے یہان اس کی حلاوت بھی موجود ہے،

کہنے مین کیا ہی مزے کا ہے فسانہ فانی
آپ کی جان سے دور آپ کے مرجانے کا

آپ ہم اپنی آگ مین لے غم عشق جل بجھے
آگ لگے اس آگ کو پھونک دیا جلا دیا

سمجھو تو بہت فرق ہے اغیار مین مجھ مین
مین آپ پہ قربان وہ قربانِ تمنا

خفا نہ ہو تو یہ پوچھون کہ تیری جان کے دور
جو تیرے ہجر مین جیتا ہے مر بھی سکتا ہے

نہ بن انجان ظالم لاکھ بے تاثیر ہون نالے
خبر دل کی نہ ہو دل کو کہین ایسا بھی ہوتا ہے

میرے مرتے ہی دلِ بیتاب کو چین آگیا
زندگی صدقے مین اُتری گردشِ تقدیر کے

جاتے ہوئے کھاتے ہو مری جان کی قسمین
اب جان سے بیزار ہوا بھی نہین جاتا

بندش و حسن ترکیب مضمون کے اختلاف کے ساتھ الفاظ اور ترکیب بھی بدلتی رہتی ہے، لطیف تخیل کے لئے نرم و نازک اور شیرین الفاظ مناسب ہین، اہم حادثہ، تیز و تند جذبہ اور ولولہ انگیز تخیل کے لیے پر شکوہ اور موثر الفاظ کی ضرورت ہے، اگر کسی لطیف تخیل کو پر شوکت الفاظ مین ادا کیا جائے تو اسکی ساری لطافت خاک مین ملجائے گی، اسی طریقہ سے اگر کسی بلند جذبہ کے اظہار کے لیے نازک الفاظ استعمال کئے جائین گے تو مضمون پھسپھسا ہو جائے گا، اور سامع پر اس کا اثر کم پڑے گا، اگر یہ دونون باتین بھی موجود ہین لیکن الفاظ کی نشست نامناسب اور بندش چست نہین ہے تو شعر پست ہو جائے گا، فانی ان تمام باریکیون کی طرف پوری نظر رکھتے ہین، طالب و مطلوب کے باہم مقابلہ کے وقت طرفین پر جو حیرت طاری ہوتی ہے اس کو ان

الفاظ مین ادا کرتے ہین،

ان کو شباب کا نہ مجھے دل کا ہوش تھا — اک جوش تھا کہ محو تماشائے جوش تھا

آخر مصرعہ کے الفاظ اور بندش کسطرح دونون کے منتہائے جذب کو واضح کرتے ہین،

انھین دونون نظرون کا تقابل چقماق کا پتھر سے رگڑ کھانے کے مساوی ہے، اور معشوق کا سامنے آنا برق کوندنے کے مرادف ہے،

بجلیان ٹوٹ پڑین جب وہ مقابل سے اٹھا — مل کے پلٹی تھین نگاہین کہ دھوان دل سے اٹھا

الفاظ کی شوکت اور ترکیب، واقعہ کی اہمیت کو کس طرح ظاہر کر رہی ہے،

آنسوون کی حدت اور کثرت ملاحظہ ہو،

مری آنکھون مین آنسو تجھ سے ہمدم کیا کہون کیا ہو — ٹھہر جائے تو انگارہ ہے بہ جائے تو دریا ہے،

جنون و دیوانگی کا اظہار اس طرح کرتے ہین،

ہے ہے وہ اہل ذوق کی زندان نوازیان — سر پیٹتا ہون خانۂ زنجیر دیکھ کر

یہ مثالین جوشِ بیان، شوکتِ الفاظ کی تھین، اب نازک اور شگفتہ ترکیبین بھی ملاحظہ کیجئے،

سکونِ خاطرِ بلبل ہے اضطرابِ بہار — نہ موجِ بوئے گل اٹھتی نہ آشیان ہوتا

بہار اپنی چمن اپنا قفس کی تیلیون تک ہے — مبارک نکہتِ گل کو چمن بر دوش ہوجانا

زندان کی چمن بندی و گل آرائی دیکھیے،

خون کے چھینٹون سے کچھ پھولون کے خاکے ہی سہی — موسم گل آگیا زندان مین بیٹھے کیا کرین

اس مریضِ غم کا نقشہ ملاحظہ ہو جسکی تمام قوتین جواب دے چکی ہین اور اسکی ہستی حباب سے زیادہ نہین رہ گئی ہے

نالہ کیا ہان اک دھوان سا شامِ ہجر — بستر بیمار سے اٹھا کیا

مذکورۂ بالا اصناف کے علاوہ سادگی اور برجستگی بھی اک کمال ہے، یعنی ایک خیال کو بلا تکلف

اور تصنع اس طرح سے کہدینا کہ معمولی گفتگو معلوم ہو،

مرا قتل ان کے ہاتھون یہ تو باتین — بھلا ان کے منھ کی ہین کچھ نامہ بر کی

لکھ چکے ہم جا بجا خط گر یہی حالت رہی — ہاتھ مین آیا قلم اور شوق کا دفتر کھلا

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا — زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

فانی کو یا جنون ہے یا تیری آرزو ہے — کل نام لے کے تیرا دیوانہ وار رویا

سوز و گداز فانی کا خاص رنگ سوز و گداز اور خستگی و افتادگی ہے، اس سے مطلب نالہ و شیون یا مرثیہ و ماتم نہین بلکہ درد آشنا دلون کی وہ واردات ہین جو سامع کے دل پر بھی وہی تاثرات طاری کر دیتی ہین جنھون نے فانی کے قلب کو ایک حسرتکدہ بنا دیا ہے، فانی کی پروازِ تخیل کا یہی اصلی جولانگاہ ہے جہان آکر انکی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ سوز و گداز ہی شاعری کی روح ہے، شعر وہی ہے جو دل سے نکلے اور دل پر اثر کر جائے اور یہ اثر سوز و گداز کے علاوہ دوسرے جذبات مین کم پایا جاتا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ سوز و گداز کا جذبہ تمام جذبات مین قوی تر ہے، اگرچہ سوز و گداز کا عنصر شاعری مین ابتدا سے تھا، لیکن میر تقی نے ان جذبات مین اس قدر رقت اور درد پیدا کر دیا کہ ان کے اشعار ٹوٹے ہوئے دلکی صدا ہوگئے کہ ان کو پڑھیے اور سر دھنیے، قدرت نے فانی کو بھی درد آشنا دل دیا ہے، اسلئے ان کی مجروح نَے سے بھی وہی نَے نکلتی ہے جس کے سننے کے لیے مولانا روم نے سینہ پاش پاش کی شرط لگائی ہے مضمون بہت لمبا ہوگیا ہے اسلیے اتنی گنجائش نہین کہ اس رنگ کے تمام پہلو دکھا جائین، اسلئے ہم بلا کسی تشریح کے صرف ان اشعار کو نقل کئے دیتے ہین جنمین میر کی روح بولتی ہے،

دل کا اجڑنا سہل سہی بسنا سہل نہین ظالم — بستی بسنا کھیل نہین ہے بستے بستے بستی ہے

پھر ابر مین وحشت کی تصویر نظر آئی — لہرائی ہوئی بجلی زنجیر نظر آئی

سنکے تیرا نام آنکھین کھول دیتا تھا کوئی — آج تیرا نام لے کر کوئی غافل ہوگیا،

مری محرومیون کا فیض جاری ہے رگ و پے مین ۔۔۔ بدن مین جو لہو کی بوند ہے خونِ تمنا ہے

کل تک جو تم سے کہہ نہ سکا حالِ اضطراب ۔۔۔ ملتی ہے آج اسکی خبر اضطراب سے

کوئی گھڑی اے بیخودیِ غم دم لینے دے سنبھلنے دے ۔۔۔ آ کوئی دم اے ہوش کہ تجھ سے پوچھین گے کچھ اپنی خبر ہم

دوست تسلی دینے آئے لیکے دوائین چارہ گر آیا ۔۔۔ یعنی آئی زخمِ جگر پر اک اور تازہ آفت مرہم

نازک ہے آج شاید حالت مریضِ غم کی ۔۔۔ کیا چارہ گر نے سمجھا کیون زار زار رویا

فانی کو یا جنون ہے یا تیری آرزو ہے ۔۔۔ کل نام لے کے تیرا کیون بار بار رویا

شوق سے ناکامی کی بدولت کوچہ دل ہی چھوٹ گیا ۔۔۔ ساری امیدین ٹوٹ گئین دل بیٹھ گیا جی چھوٹ گیا

لیجئے کیا دامن کی خبر اور دستِ جنون کو کیا کہئے ۔۔۔ اپنے ہی ہاتھ سے انکا دامن مدت گذری چھوٹ گیا

اف اس آزادی بے ہنگام کی مجبوریان ۔۔۔ مین قفس کے پاس بیٹھا ہی رہتا در کھلا

یا کہتے تھے کچھ کہتے جب اس نے کہا کہئے ۔۔۔ تو چپ ہین کہ کیا کہئے کھلتی ہے زبان کوئی

نئی ترکیبین فانی کے اشعار مین ناظرین کو جابجا نئی بندشین اور ترکیبین ملین گی، اور یہ اختراع ہر وسیع الخیال شاعر کے لئے ناگزیر ہے، کیونکہ جب نئے خیالات، نئے مضامین پیدا ہونگے تو اس کے لیے نئی بندشین، نئی ترکیبین، نئے اسالیبِ بیان بھی اختیار کرنا پڑین گے، اگرچہ یہ ارتقا فطری ہے تاہم ایک صاحب قلم اور صاحب زبان کا فرض بھی ہے کہ اپنے خیالات خوشنما الفاظ اور شگفتہ ترکیبون مین ادا کرے تاکہ حسن معنی کے ساتھ ظاہری دلکشی مین بھی فرق نہ آئے اور اگر قدیم الفاظ کا ذخیرہ اس کے خیالات کے احاطہ کرنے سے قاصر ہو تو شگفتہ اور دلکش ترکیبین وضع کرے، لیکن اس کا لحاظ ضروری ہے کہ ترکیبین سبک، ہلکی اور شگفتہ ہون، ثقیل، بھدے اور نامانوس الفاظ سے مرکب نہ ہون، تاکہ وہ زبان مین بلا تکلف کھپ جائین اور اس مین کسی قسم کی گرانی نہ پیدا ہو، فانی کے کلام مین اس قسم کی ترکیبین بکثرت ہین اور ان کو وہ اس خوش سلوبی سے ترکیب دیتے ہین کہ ذرا بھی نامانوس نہین معلوم ہوتین ذیل کی مثالون سے اسکا اندازہ ہوگا،

دلِ وفا خراب، اشکِ آوارہ دامن، زندان نوازی، آشوبِ ہوش، سرمہ تقاضا نگھین، روشناسِ آگہی، ذراتِ صحرا بیز، نالہ خموشِ مسلسل، ابتدائے قیامت آل وغیرہ،

فانی انسان ہین فرشتہ نہین، اسلیے ان گوناگون محاسن کے باوجود ان کا کلام اسقامِ شاعری سے بالکل پاک نہین ہے، لیکن چونکہ خوبیون کے مقابلہ مین نقائص بہت کم ہین، اسلیے ہم ان کو نظر انداز کرتے ہین،

مطبوعات جدیدہ

اسلامی خلافت کا کارنامہ حصہ دوم، جناب حاجی محمد موسیٰ خان صاحب رئیس دتاؤلی ضلع علیگڈہ کی کتاب "اسلامی خلافت کا کارنامہ" کے حصہ اول پر تفصیلی تبصرہ معارف بابتہ اکتوبر ۱۹۲۵ء مین ہو چکا ہے اب اس کا دوسرا حصہ "مولود ہمایون" شائع ہوا ہے، جس مین آنحضرت صلعم کی ولادت باسعادت سے بعثت تک کے جامع حالات مختصر طور پر ایک خاص اسلوب مین بیان کئے گئے ہین، اور آخر مین آپکی مذہبی و اخلاقی اصلاحون کا تذکرہ ہے، کتاب ۱۳۰ صفحون پر تمام ہوئی ہے، قیمت درج نہین ہے، مشرف منزل علیگڈہ سے ملیگی،

خلق محمدی، انجمن خدام الدین لاہور، اسلام کی اشاعت و حفاظت کے سلسلہ مین مدت سے چھوٹے چھوٹے مفید رسالے شائع کر رہی ہے، اسی سلسلہ مین اس کا ایک جدیدہ رسالہ "خلق محمدی" تبصرہ کے لیے آیا ہے، جس مین پہلے انسان کو شریعت اسلامی کے رو سے کافر محارب، غیر محارب، منافق اور مومن مین تقسیم کیا گیا ہے، اور اس کے بعد ان مین سے ہر ایک کے ساتھ آنحضرت صلعم کے جو مکارم اخلاق تھے، ان کا نمونہ آیات و احادیث سے پیش کیا گیا ہے، زبان صاف اور طرز ادا بہتر ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، انجمن خدام الدین لاہور کو دو پیسے کا ٹکٹ بھیجکر رسالہ مفت طلب کرین اور اگر دو پیسے کے اور ٹکٹ بھیجدین تو چند مفید رسالے اور بھی مفت بھیجے جائینگے،

کلید، مولوی عبد الستار خان صاحب عربی علم و ادب کے شائقین کے لیے عربی صرف و نحو اور مشق و تمرین پر کلید کے نام سے رسالہ لکھ رہے ہین، اس کا دوسرا حصہ پیش نظر ہے، جسمین عربی سے اردو اور اردو سے عربی بنانے کے لیے چھوٹے چھوٹے جملے بتدریج بڑھاتے ہوئے مختلف اسباق مین جمع کئے گئے ہین، اسکی خصوصیت یہ ہے کہ اکثر مشقین قرآن مجید کی آیات سے تیار کیگئی ہین، حجم چھوٹی تقطیع پر ۵۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی ہے

قیمت اور پتہ: - جناب مولوی عبد الستار خان صاحب بتوسط جناب مولوی شرف الدین صاحب تاجر کتب مصریہ بھنڈی بازار بمبئی نمبر ۹،

سب دھرمون کی ایکتا، جناب بابو شری بھگوان داس صاحب کی ایک تقریر کو اس رسالہ کی صورت مین شایع کیا گیا ہے، اس مین سب پہلے ۱۹۲۳ء کی تحریک شدھی سے کانگریس کے وقار اور اسکی جد و جہد کو صدمہ پہنچنے اور اس کے علل و اسباب سے بحث کیگئی ہے، پھر سوراج اور مذہب کی تشریح کر کے مذہبی اصول ادیان کی یکسانی، باری تعالی، انبیائے کرام، شرائع و احکام، طریق عبادات، قومی خصوصیات اور مذہبی رسوم و ادا کو تمام موجودہ مذاہب خصوصاً ہندو دھرم اور مذہب اسلام مین دکھا کر بتایا گیا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب در حقیقت ایک ہین، صرف اسمار و تعبیرات کا فرق ہے، اور آخر مین اشاعت مذہب کے مروجہ طریقہ کے نقائص دکھا کر انسانیت کی اشاعت کی تلقین کیگئی ہے، مؤلف نے اپنے دلائل مین ہندو دھرم کی مقدس کتابون اور قرآن مجید کی آیات پیش کی ہین، جناب مؤلف سے اگرچہ ایک آدھ موقع پر مثلاً مسئلہ تناسخ مین ہمین اختلاف ہے، لیکن ان کے یہ صلح کل جذبات لائق صد آفرین ہین، رسالہ کا حجم ۵۰ صفحے باریک ٹائپ مین ہے اور اتنے ہی صفحات پر ہندی رسم الخط مین اردو کے بالمقابل یہی مضمون درج ہے، پتہ: - منیجر صاحب گیان منڈل پریس بنارس،

گلشن حیات، حضرت شاد عظیم آبادی مرحوم دور حاضر کے میر سمجھے جاتے تھے، اور جائے مسرت یہ ہے کہ سخن شناسون نے ان کی زندگی ہی مین ان کے شایان شان انکی قدر و منزلت کی، جس کا بہترین ثبوت یہ ہے کہ ان کی حیات ہی مین ان کے سوانح "حیات شاد" کے نام سے شائع ہوئے، یہ کتاب اس درجہ مقبول ہوئی کہ جناب مولوی سید معین الدین صاحب قیس رضوی سید آبادی و عظیم آبادی کو جو ان کے ارشد تلامذہ مین ہین، اس کا دوسرا اڈیشن بہت جلد شائع کرنا پڑا، دوسرا اڈیشن "گلشن حیات" کے نام سے بہت کچھ حذف و اضافہ اور ترتیب و تہذیب مین تغیر و تبدل کے بعد شائع کیا گیا ہے، چنانچہ اس مین ان کے عام سوانح حیات کے علاوہ ان کی شاعری پر تبصرہ کر کے مختلف اصناف شاعری پر ان کے کلام کا نمونہ پیش کیا گیا ہے، اس کے علاوہ "طرز اصلاح" اور نمونہ

اصلاح بر کلامِ تلامذہ" بھی ایک دلچسپ باب ہے، اور اس کے بعد تلامذہ کا تذکرہ ہے، جسمین ان کے ممتاز اور ارشد تلامذہ کے مختصر حالاتِ زندگی انتخابِ کلام کے ساتھ پیش کیے گئے ہین، جسکی وجہ سے چودھوین صدی کے تقریباً ۳۰-۳۵ شعرائے بہار کے حالات اور نمونۂ کلام منضبط ہوگئے ہین، رسالہ کی زبان صاف شستہ اور طرز ادا بہتر ہے، اگر جناب مؤلف اسی سلسلہ مین "تذکرۂ شعرائے بہار" کا بیڑا اوٹھائین تو مزید شکریہ کے مستحق ہون گے، ضخامت ۱۶۴ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت عمر، جناب مؤلف سے اقبال منزل نو دیگرہ پٹنہ سٹی کے پتہ سے ملے گی،

انقلابِ فرانس، فرانس مین ۱۷۸۹ء مین شاہ پسندون کے خلاف ایسا عظیم الشان انقلاب برپا ہوا جس نے سارے یورپ کی تاریخ مین ایک جدید دور کی بنا ڈالی، اس انقلاب کے صحیح سبق آموز اور دلچسپ حالات ناول کے طرز مین یورپ کی متعدد زبانون مین لکھے گئے، انھی مین سے کسی ایک کا ترجمہ مصر کے اہلِ قلم نے سورۃ فرنسا کے نام کیا ہے، اور مولانا عبد الرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی مدیر اخبار پیغام کلکتہ نے اس عربی ترجمہ کو کسی قدر تلخیص کے ساتھ، انقلابِ فرانس کے نام سے اردو مین منتقل کیا ہے جس مین انقلابی تحریک کی نشو و نما، خفیہ انجمنون کی سازباز، سیاسی ہنگامہ آرائیان اور خونریز معرکہ آرائیان خاص طور پر نمایان ہین، ترجمہ کو عام فہم بنانیکی خاص کوشش کیگئی ہے، حجم ۱۹۲ صفحے، کاغذ عمدہ اور لکھائی چھپائی خاصی ہے، قیمت قسم اول عہ، قسم دوم ۱۲ر، پتہ:- جناب منیجر صاحب صدیق بک ڈپو لکھنؤ،

ازہار العرب، مولوی دین محمد خانصاحب ثاقب لکچرر ڈھاکہ یونیورسٹی نے مدارس کے ابتدائی درجون کو عربی انشا، اور خط و کتابت سکھانے کے لیے یہ رسالہ تالیف کیا ہے جسمین پہلے چھوٹے چھوٹے پرلطف قصے ہین، پھر حیوانات کے متعلق معلومات ہین، اور آخر مین مختلف اعزہ و احباب وغیرہ کے نام خطوط کے نمونے ہین، ہر سبق کے مشکل الفاظ کا حل بھی دیدیا ہے، قیمت ۶ر جناب مولف سے مولوی بازار ڈھاکہ کے پتہ سے طلب کرین،

"ز"

مجلد نوزدہم	ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ جون ۱۹۲۷ء	عدد ششم

مضامین